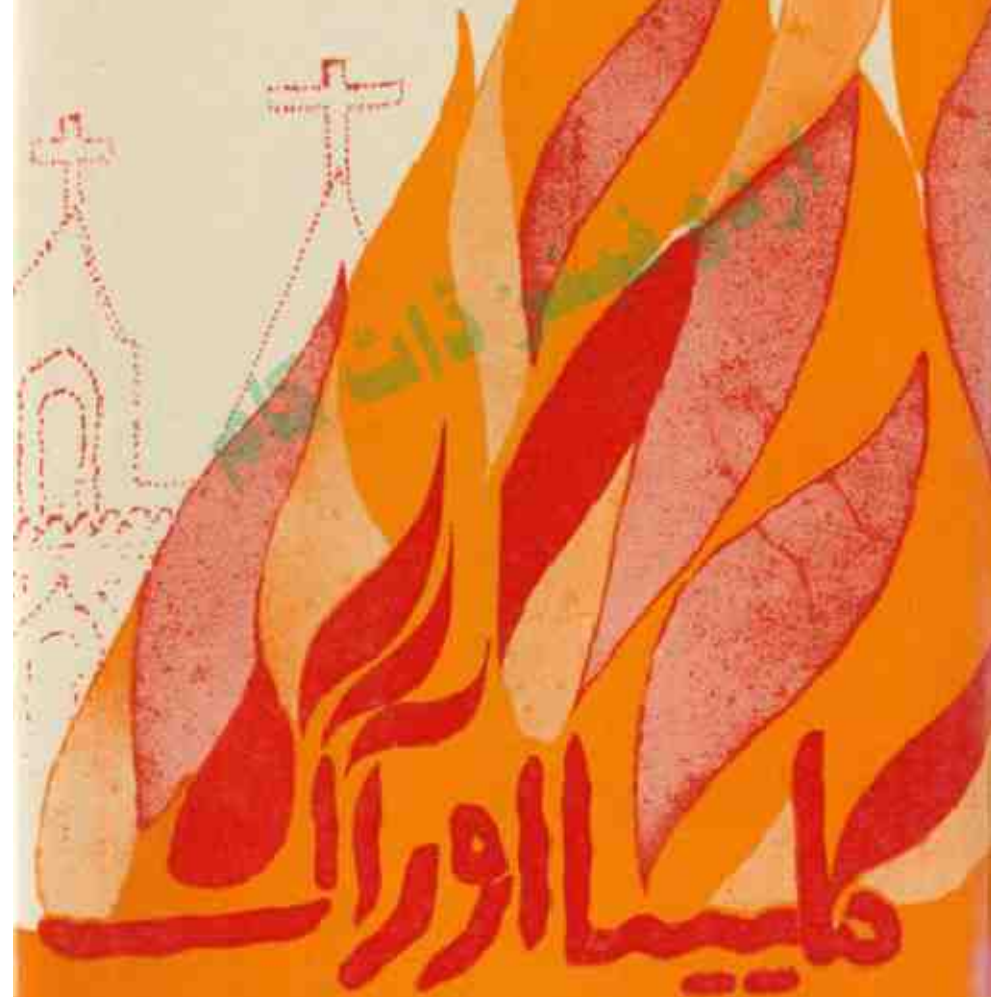


سیم حجازی



کلپسا اور آگ

نسیم حجازی

اردو فیسر ذات کام



صدیقی اینڈ کمپنی 430 میٹا محل، دہلی 110006

SEQ#30
URDU ARP
KALEEAS AUR AAG

کلیسا اور آگ

مصنف _____ نسیم حجازی

تعداد _____ ایک ہزار

مہتمام _____ فیضان احمد

طباعت _____

قیمت _____ 50 روپے

ناشر :- صدیقی اینڈ کمپنی، دہلی ۱

انتساب

دور حاضر کے رجلِ عظیم
شاہ فیصل بن عبدالعزیز شہید
کے نام

جب وہ زندہ تھے تو میں نے ہمیشہ انہیں دُور سے
دیکھا تھا۔ لیکن ان کی شہادت کے بعد میں یہ محسوس کرتا
ہوں کہ وہ میرے دل سے قریب تر تھے۔

نسیم حجازی

Scanned by iqbalmt

پیش لفظ

یہ کتاب ایک قوم کی الٹا دکھانے کا آخری باب ہے جو قریباً آٹھ صدیاں عروج و زوال کی منازل طے کرنے کے بعد اُس سرزمین سے نابود ہو گئی تھی جہاں آج بھی دنیا بھر کے سیاح اس کی عظمت رفتہ کی غیر فانی یاد گاریں دیکھتے آتے ہیں۔

اندلس کے مسلمان قریباً چار سو سال ایک پر شکوہ سلطنت کے مالک رہے۔ پھر وہ طوائف الملوکی اور لامرکزیت کا شکار ہوئے اور نصرائیوں نے اُن کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر شمال میں پاؤں جمالیے۔ گیارہویں صدی کے ربع آخر میں شمال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں الفانوسو شمرم کے جھنڈے تلے متحد ہو رہی تھیں لیکن ملوک الطوائف کو ایک مشترکہ دشمن کی بڑھتی ہوئی قوت کا خطرہ بھی راہ راست پر نہ لاسکا۔ وہ ایک دوسرے کے خلاف الفانوسو سے مدد حاصل کرتے تھے اور اسے خراج ادا کرتے تھے۔

۱۰۸۵ء میں ایک طالع آزمائی کی القادر نے طلیطلہ پر الفانوسو کا قبضہ کرادیا۔ اس کے بعد نصرائیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ دادی الکبیر

تک کے علاقے ان کے حملوں سے محفوظ نہ تھے۔

اندلس کے حریت پسندوں کی فریاد پر افریقہ کے مرا بطین یوسف بن تاشفی کی قیادت میں اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کو پہنچے اور پے در پے شکستوں کے بعد ایک مدت کے لیے نصرائیوں کے حوصلے سرد پڑ گئے۔

لیکن ایک صدی بعد نصرائیوں کے عزائم کو شکست دینا پھر ان کے لیے موت و حیات کا مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے اسلاف کی عظیم سلطنت پھر قبائلی اور خاندانی ریاستوں میں بٹ چکی ہے اور وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ان کے دائمی دشمن چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے اتحاد سے ایک طاقتور سلطنت بنا چکے ہیں اس کے باوجود وہ متحد اور منظم نہ ہوئے۔ اور اس انتشار اور لامرکزیت کی سزا یہ تھی کہ ۱۱۸۷ء میں یعنی طلیطلہ پر نصرائیوں کے قبضے سے ۱۰۲ سال بعد قرطبہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

پھر ۱۲۳۹ء میں نصرائی قرطبہ پر قابض ہو گئے۔ مغرب میں اس شہر کی وہی اہمیت تھی جو مشرق میں بغداد کی تھی۔

۱۲۴۸ء میں نصرائیوں نے اشبیلیہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کی سلطنت غرناطہ کے صوبے یا ریاست تک محدود ہو کر رہ گئی۔ یہ چھوٹی سی سلطنت قریباً اڑھائی سو سال قائم رہی۔ اس کے آخری دور میں مسلمانوں نے اپنی آزادی کے لیے بے شمار قربانیاں دیں لیکن اندرونی سازشوں کے باعث ۱۴۹۲ء میں ان کی آزادی کا آخری پوچھ بھی سرنگون ہو چکا تھا۔

اندھیری رات کے مسافر لکھنے کے بعد مجھے ان حالات پر مزید روشنی

ڈالنے کی ضرورت نہیں جو سقوط غرناطہ کے باعث ہوئے تھے۔

لیکن تاریخ کا یہ سوال بار بار میرے ذہن میں آتا رہا کہ ۱۴۹۲ء کے بعد کیا ہوا تھا؟

یا پھر اُن ادوار میں مسلمانوں پر کیا گزری تھی جب نصرانی حکومت نے متارکہ جنگ اور ہتھیار ڈالنے کے سلسلے میں تمام سابقہ معاہدے منسوخ کر کے اُن کے لیے مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنا ناممکن بنا دیا تھا اور جبراً اصطلاح دینے کے بعد انھیں مورس کی بجائے نفرت سے مورس کو زکما جاتا تھا۔

میرے نزدیک اُنڈلس کے مسلمانوں کا المیہ صرف یہی نہیں کہ وہ اپنی سلطنت، اپنی آزادی، اپنے وطن اور اپنے قومی تشخص سے محروم ہو گئے تھے اور ایک پر شکوہ ماضی سے اُن کے سارے رشتے کاٹ دیے گئے تھے۔ بلکہ ایک عظیم سانحہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اُن پر انگوئی زایشن کے ناقابل بیان مظالم کے تذکرے جن کے باعث وہ ایک صدی کے عرصے میں اُنڈلس سے نابود ہو گئے تھے، بیشتر یورپ کے عیسائی مورخین کی تصانیف سے ملتے ہیں۔

سقوطِ غرناطہ کے بعد ابتدائی چند برسوں میں بعض عرب شعرائے اپنی زبوں حالی کے متعلق نظمیں لکھی ہیں، لیکن پوری سولہویں اور سترہویں صدی کے ابتدائی چند سالوں کے دوران جب یہ لوگ ہر روز ایک نئی قیامت کا سامنا کرتے تھے، کسی قابل ذکر مسلمان مورخ نے اُن کے آلام و مصائب کے بارے میں نہیں لکھا۔

”انگوئی زایشن“ ان بد مصیبت، انسانوں کو نابود کر دینے کے لیے کلیسا کا سب سے اہم ہتھیار تھا۔ اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے ایک یا چند الفاظ ناکافی معلوم ہوتے ہیں، اس لیے میں نے ”انگوئی زایشن“ کے عنوان سے

لے MOORS مغرب میں یہ لفظ اُنڈلس کے مسلمان فاتحین کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جب وہ جبراً عیسائی بنائے گئے تھے تو انھیں عقارت سے مورس کو MORISCOS کہا جاتا تھا۔
لے INQUISITION

ایک علیحدہ باب لکھ دیا ہے جو اس داستان کے لیے دیا ہے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جسے لکھتے وقت مجھے رات کی تنہائیوں میں کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اُنڈلس کی فضاؤں میں سانس لے رہا ہوں۔ میری نگاہوں کے سامنے اُس دور کی داستانیں دہرائی جا رہی ہیں جب اُنڈلس کے مسلمان مورس کو زب گئے تھے۔ جب مورس کو اس الزام میں زندہ جلا جاتے تھے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے اور ابھی تک اپنے اسلام کے دین سے محبت کرتے ہیں۔ جب انگوئی زایشن کے اذیت خاںوں میں بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ جب ان مظلوموں کے بھائی موت و حیات سے بے پروا ہو کر میدان میں نکل آتے تھے اور دشوار گزار پہاڑوں میں پوری سلطنت کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جاتے تھے۔

کتنے حسین اور معصوم لوگ تھے جنہیں میں نے تصویر میں زندہ جلتے دیکھا تھا؟

اور جب میں اس بھیانک ماضی سے حال کی طرف لوٹا تھا۔ جب میں یہ دیکھتا تھا کہ یہ میرا کمرہ ہے جہاں کتابیں بکھری ہوئی ہیں۔ یہ فوجی گھر ہے جہاں میرے بال بچے رہتے ہیں۔ میں اسپین کا مورس کو نہیں بلکہ پاکستان کا مسلمان ہوں تو بے اختیار میرے دل سے یہ دعائیں نکلتی تھیں:

”میرے اللہ! پاکستان پر اپنا کرم فرما!! یہ ہمارا آخری حصار ہے اور ہمارے لیے یہاں سے پسپائی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تیرے عاجز بندوں کی یہ جائے پناہ کسی نئے عبد اللہ یا ابوالقائم

کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔

رب العالمین! ہمیں ان لوگوں کے شر سے بچائے، جو ہمارے قومی شخص اور ملت اسلام سے ہمارے تاریخی رشتوں کو کاٹنا چاہتے ہیں۔ آمین!

جس طرح میری تصنیف "اور تو ارفٹ گئی" منظم علی کے ساتھ ایک ہی لڑی میں پروٹی گئی ہے، اسی طرح یہ کتاب بھی اندھیری رات کے مسافر سے منسلک ہے!

ایک مصنف کی حیثیت سے میں صرف یہ فرق محسوس کرتا ہوں کہ جب میں "اندھیری رات کے مسافر" لکھ رہا تھا تو پاکستان کی سیاسی ایسٹج پروہ کھیل کھیلا جا رہا تھا جو پانچ صدیاں قبل مغناطہ میں کھیلا گیا تھا اور "کیسا کی آگ" لکھتے وقت مجھے یہ اطمینان ہو رہا تھا کہ

اس دور کے ابوالقاسم اور ابو عبد اللہ کا یوم حساب شروع ہو چکا ہے اور وہ سازش جس کا مقصد مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد رہے سکے پاکستان کو پارہ پارہ کرنا تھا، کامیاب نہیں ہوئی

ظلم و وحشت کے خلاف قوم کے باشعور عناصر بیدار اور منظم ہو رہے تھے جنہیں تاریک دیرانوں میں بہزفوں اور راتوں نے گھیر لیا تھا۔

اور مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ رات کتنی بھیانک تھی جس کی تاریکی نے ہماری لگا ہوں سے سلامتی کے راستے او جھل کر دیے تھے۔

عوام کے دلوں میں ابھی اس کی یاد تازہ ہے لیکن یہ بات ہمیں کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ جب ایک آمر کا

غزوہ انتہا کو پہنچ چکا تھا، ظلم، بے حیائی، عریانی اور فحاشی کے جھوٹ ننگے ہو کر ناز رہے تھے

جب مستقبل کے متعلق قوم کی ساری امیدیں دم توڑ رہی تھیں،

اس وقت ہم نے اسلام کے حصار میں پناہ لی تھی۔

ہماری سیاست گردہی اور جماعتی دائروں سے نکل کر قی سیاست بن گئی تھی اور فرزند ان قوم اور دختران ملت کے دلوں میں اللہ کے خوف کے سوا کوئی اور خوف نہ تھا۔

ہمارے غازی آمریت کے سامنے سینہ سپر ہو گئے!

کسی بچے، بوڑھے یا جوان کے سینے سے خون کا دھابا چھوٹا۔ اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور پھر ملت کے وجود سے زندگی اور توانائی کے ان گنت چشمے پھوٹ نکلے۔

قومی اتحاد کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے والے اکابر نے ہر عہد کیا کہ ہم اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کی حکمرانی قائم کریں گے اور لوگ ۱۹۴۰ء کی طرح پھر ایک بار پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے لگاتے ہوئے ان کے پیچھے چل پڑے تھے۔ ان کے ایشاد و خلوص اور عزم و یقین کو اللہ کی نصرت سے

فواز لگیا اور وہ آمر جس نے پاکستان کو اپنے سیاسی قد و قامت کے مطابق بنانے کے لیے اسے توڑنے کی سازش کی تھی، جو زندگی کے آخری سانس تک اقتدار کی

مند پر رونق افروز رہنا چاہتا تھا، اپنی تمام ذہانت اور عیاری کے باوجود عدل و انصاف کے ایوانوں میں قتل کے ایک ملزم کی حیثیت سے پیش ہوتا ہے۔

اس کے بعد اللہ کی بارگاہ میں نظر و احسان مندی کا تقاضا یہ تھا کہ ہم اس اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بناتے جس کی بدولت ہمیں دورِ حاضر کی

بدترین آمریت سے نجات ملی تھی، ہم ماضی کی ان غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کرتے جن کے باعث آدھا ملک جا چکا تھا۔ اور ہمارے لیڈر عوام کا اعتماد مجروح نہ ہونے دیتے جنہوں نے پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنانے کے لیے بے مثال قربانیاں دی تھیں۔ لیکن یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ جولائی ۱۹۷۱ء میں اطمینان کا سانس لیتے ہی بعض فرزندانِ مصلحت کی ذاتی خواہشات قومی مفاد پر غالب آ گئیں اور وہ اس سیغے سے کود پڑے جس کی بدولت وہ آلام و مصائب کے گرداب سے نکلے تھے۔ اور بعض ابھی چھلانگ لگانے کے لیے مناسب موقع کا انتظار کر رہے ہیں۔ اب ان کے نزدیک قوم کی موت و حیات کے مسائل اپنی لیڈری کا لوہا منوانے اور پریشان حال عوام سے یہ تسلیم کروانے تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں کہ ملک کی سیاست میں صحیح یا غلط کامیاب ہمارے ذاتی پسند ہے۔ اگر ہم قومی اتحاد کو اپنے لیے خسارے کا سودا سمجھیں تو یہ الفاظ ہی سیاسی لغت سے نکال دیے جائیں۔

یہ حضرات اندلس کے ان ملوک الطوائف کی داستان دہرا رہے ہیں جو انتہائی خطرے کی صورت میں ایک ہو جاتے تھے، لیکن جنگ میں کوئی کامیابی حاصل کرتے ہی وہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے اُبھ پڑتے تھے۔ اور دشمن کبھی ایک اور کبھی دوسرے سے سودا کر کے ان کے چند قلعے ہتھیالیتا تھا۔

عوام نظام اسلام اور نظام مصطفیٰ کے نعرے سن کر قومی اتحاد کے پیچھے ہو لیے تھے اور انہوں نے وہ قربانیاں دی تھیں جن پر ہماری آئندہ نسلیں فخر کریں گی۔ لیکن یہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ یہ سارا ان کا ذاتی کمال ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی یہ خوش فہمی بہت جلد دور ہو جائے گی لیکن میں جس بات سے ڈرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان غرض کے بندوں نے یہ شرمناک کھیل اس وقت شروع کیا ہے جب نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اسلام خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ اریٹریا کے مسلمانوں پر بم گرائے جا رہے ہیں، برما کے مسلمانوں پر چین کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے، اندرون ملک غیر اسلامی نظریات کے تاجر پوری مستعدی سے کام کر رہے ہیں اور اشتراکی الحاد جس کی تباہ کاریاں نصف صدی قبل سمرقند اور بخارا کے مسلمانوں نے دیکھی تھیں، کابل تک پہنچ چکا ہے۔

میں ان لوگوں سے اللہ اور اس کے بندوں کے نام پر کوئی اپیل نہیں کر سکتا جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر ضابطہ اخلاق کو اپنی خواہش یا ضرورت کے مطابق ڈھالنے کا حق رکھتے ہیں اور ان کے سیاسی جوڑ توڑ، ان کی تدبیریں، ان کی دامانی اور موقع شناسی قوم کی اجتماعی قوت کا نعم البدل ہو سکتی ہے۔

لیکن جو لوگ ایک قوم کے لیے وطن کی ضرورت کا احساس کر سکتے ہیں، پاکستان کے بقا کے لیے اس کی نظریاتی سرحدوں کی اہمیت سمجھتے ہیں اور اس ملک میں اندلس کی تاریخ نہیں دہرانا چاہتے، انہیں میں بار بار خبردار کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ قومی اتحاد نے اللہ اور اس کے بندوں کے رشتہ جو عہد کیا تھا، اس سے فرار کا ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے۔ گزشتہ تیس برس کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے سوا ہماری آزادی اور بقا کی کوئی ضمانت نہیں۔

اندلس میں مسلمانوں کی تباہی کا باعث وہ قسمت آزما تھے جنہوں نے قوم کی اجتماعی حیات کے سرچشمے زہر آلود کر دیے تھے۔ بھائی کو

بھائی سے جدا کر دیا تھا — اور اقتدار کے خنوں میں کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ قوم بھی زندہ رہنے کا حق رکھتی ہے جس کے اسلاف نے اس سرزمین پر اپنے خون سے شجر اسلام کی آبیاری کی تھی —

اس داستان میں پاکستان کے موقع پرستوں کے لیے یہ سبق ہے کہ جب قومیں تباہ ہوتی ہیں تو تاریخ ان کے قداروں کو بھی گناہی کے اندھیروں میں چھپا دیتی ہے — آج ہم اپنے گرد و پیش جس قدر بھیاں گ اندھیرے دیکھ رہے ہیں اُسی قدر ہمیں اجتماعی ضمیر کی روشنی کی ضرورت ہے۔

نسیم حجازی

الغیاث
۳۳۔ بی. راولپنڈی

Scanned by iqbalmt

مال کی وصیت

عمر ناطہ سے ہجرت کے بعد، اندلس کے تاجدار، ابو عبد اللہ کی حکومت الفجارہ کے پہاڑی علاقے میں صرف پانچ میل چوڑے اور دس میل لمبے علاقے تک محدود تھی۔

اس جاگیر کی مغربی سرحد پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی ایک لمبی دیوار تھی! اُس سے نیچے کی طرف ایک پرانا قلعہ ابو عبد اللہ کی قیام گاہ تھا یہ پہاڑیاں مال کی جانب بتدریج بلند ہوتی گئی تھیں اور ان کے پیچھے ایک قلعہ اور زرخیز وادی کی چالیس بستیاں ابو عبد اللہ کے سابق وزیر ابوالقاسم کی ملکیت تھیں۔

ابوالقاسم کی جاگیر کے منظم کا نام مصعب تھا — وہ ابوالقاسم کی بیوی کا چچا زاد بھائی تھا اور سلطان کی آمد سے کچھ دن بعد اپنے گھرانے کے چند افراد کے علاوہ، مسلح محافظوں، نوکروں اور غلاموں کے ساتھ جاگیر میں منتقل ہو چکا تھا، لیکن — غرناطہ میں ابوالقاسم کی مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ گزشتہ تین برس کے عرصے میں اسے چار ہفتوں سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کا موقع نہ ملا۔

جو نافرمان سلطان ابو عبد اللہ کے ساتھ یا اس کے فوراً بعد الفجارہ پہنچے

تھے، ان کی اکثریت بے سروسامانی کی حالت میں غزناط سے نکلی تھی، لیکن اس کے بعد فرڈی نینڈ کا طرز عمل دیکھ کر باقی لوگوں کو یہ اُتید ہو گئی تھی کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، اس لیے وہ نسبتاً اطمینان سے اپنی جائیدادوں کو فروخت کر کے انفجار پہنچتے اور پھر سمندر عبور کرنے کے لیے جہازوں کا انتظام ہوتے ہی ساحل بربر کی طرف ہجرت کر جاتے۔

فرڈی نینڈ کی بھی یہی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اُنڈس چھوڑ کر افریقہ چلے جائیں اور اس پر یہ الزام بھی نہ آئے کہ اُس نے زبردستی انھیں جلا وطن کر دیا ہے، اس لیے اُس نے نہ صرف جنوب کی طرف پناہ گزینوں کے راستے محفوظ کر رکھے تھے، بلکہ مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنے کے لیے وہ حتی الامکان معاہدے کی یہ شرط بھی پوری کرتا رہا کہ جو لوگ غزناط سے جا چکے ہیں وہ تین سال کے اندر اندر کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے گھروں کو واپس آ سکتے ہیں اور اس عرصہ میں وہ اپنی اٹاک کا انتظام کرنے یا انھیں فروخت کرنے کے لیے اپنے کارندے بھی مقرر کر سکتے ہیں۔

مہاجرین کے ان قافلوں کو نصرانی لشکر کی ٹوٹ مار سے محفوظ رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اہل بربر اور ترکوں کے جنگی جہاز بحیرہ روم میں گشت کرتے رہتے تھے اور فرڈی نینڈ اپنے مفتوحہ علاقوں میں بے چینی پیدا کر کے، کبھی بیرونی مداخلت کا خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔

مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں فرڈی نینڈ کے عوام کلیسا کے انتہائی تنگ نظر راہبوں سے کسی طرح کم خطرناک نہ تھے، لیکن اُس کے نزدیک مسلمانوں کی رگوں سے رہا سہا خون نچوڑنے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا اور اسی وقت کے انتظار میں وہ شطرنج کی مختلف چالیں چل رہا تھا۔

کلیسا کے جذبات انتقام کی تسکین کے لیے اُس نے فوری طور پر ایک نیا محاذ کھولنے کی ضرورت محسوس کی اور تنگ نظر راہبوں کی توجہ اُس نے یہودیوں کی طرف مبذول کر دی۔

غزناط کی فتح کے جشن سے فارغ ہوتے ہی فرڈی نینڈ نے یہ فرمان جاری کیا :-

”اب اسپین کے یہودیوں کے لیے عیسائیت کے دامن میں پناہ لینے یا جلا وطن ہونے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں — حکم عدولی کی سزا موت ہے!“

فرڈی نینڈ نے اپنی عیسائی رعایا کی توجہ یہودیوں کی طرف مبذول کر کے غزناط کے مسلمانوں کو یہ تاثر دیا تھا کہ وقت کی آمدھیوں نے اپنا رخ بدل لیا ہے اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ اُن کے ہوشیار وزیر ابوالقاسم کی ایک اور کامیابی ہے کہ فاسخ دشمن انھیں اپنی یہودی رعایا کی نسبت بہتر سلوک کا مستحق سمجھتا ہے — اُن کے گھر محفوظ اور ان کی مساجد آزاد ہیں —

اور اس کے ساتھ ہی اہل غزناط کے بیرونی مددگاروں کے دل میں یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ غزناط کے حالات اطمینان بخش ہیں، اس لیے انھیں یہاں کسی قسم کی مداخلت کر کے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے نئی مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں — چنانچہ ترکوں کے جنگی بیڑے کی توجہ اسپین کی بجائے جنیوا اور اٹلی کے ساحلی علاقوں پر مبذول ہو چکی تھی +



ایک دن ابو عبد اللہ اپنی قیام گاہ کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں

دو بچے کے قریب کھڑا پہاڑ کے اس تنگ اور پریچ راستے کی طرف دیکھ رہا تھا، جو ابوالقاسم کے قلعے کی طرف جاتا تھا۔ اچانک اسے اپنے پیچھے کسی کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی۔

”اتنی جان آپ!“ اس نے چونک کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔
سلطان کی والدہ ملکہ عائشہ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی پھر اس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا ”بیٹا! مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم نے آج ناشتا بھی نہیں کیا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“
”اتنی! میں بالکل ٹھیک ہوں“ اور تازہ ہوا میں سانس لینے کے لیے یہاں کھڑا ہوں۔“

ماں نے درد بھرے لہجے میں کہا ”ابو عبداللہ! اب اس طرف دیکھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب ابوالقاسم تمہارے پاس نہیں آئے گا۔“
ابو عبداللہ ٹھٹھا ہوا کہ ماں کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا ”اتنی جان! کبھی کبھی یہ قلعہ مجھے ایک قید خانہ محسوس ہوتا ہے اور میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔“
”بیٹا! یہ قید خانہ تو تم نے خود ہی منتخب کیا ہے“ ورنہ مراکش کی زمین تمہارے لیے بہت کشادہ ہے اور یوسف کے پیغام کے بعد تمہیں مراکش کے مکران کی دعوت بھی موصول ہو چکی ہے۔“

”اتنی! خدا کے لیے آپ پھر یہ موضوع نہ چھیڑیں۔ میں نے یوسف کو بتا دیا تھا کہ میں اندلس سے ہرگز ہجرت نہیں کروں گا۔“
”بیٹا!“ بڑھی ملکہ نے آبدیدہ ہو کر کہا ”میں تمہیں اندلس چھوڑنے کا مشورہ نہیں دوں گی۔ صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ فردی بنیڈ اور ابوالقاسم سے کوئی نیک توقع رکھنا خود فریبی ہے۔ تم گزشتہ چند ہفتوں میں کتنی بار ابوالقاسم کے

متعلق پوچھنے کے لیے اپنے آدمی بھیج چکے ہو اور اس کے ادنیٰ ملازم بھی اس قدر گستاخ ہو گئے ہیں کہ کسی نے کوئی تسلی بخش جواب دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔“

”اتنی! ابو عبداللہ نے قدر سے نرم ہو کر کہا ”میں اس کے نوکروں یا مکر کے آدمیوں کو قصور وار نہیں ٹھہراتا۔ انہیں غرناطہ میں اس کی سرگرمیوں کا علم نہیں ہو سکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پچھلی مرتبہ جب وہ یہاں آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ میں غرناطہ میں ان دنوں جو کام کر رہا ہوں وہ تمہاری بہتری کے لیے ہے۔ کسی دن میں غرناطہ سے تمہارے لیے ایسا تحفہ ملے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے! کیا یہ درست نہیں کہ سقوط غرناطہ کے بعد ہم جس مہیب آندھی کے تصور سے لرز اٹھتے تھے، اس کا رُخ ابوالقاسم نے مسلمانوں کی بجائے یہودیوں کی طرف پھیر دیا ہے؟ اور بہت سے لوگ جو بے سروسامانی کی حالت میں غرناطہ سے ہجرت کر کے الفجارہ اور یہاں سے افریقہ پہنچ گئے تھے، دوبارہ اپنے گھروں کا رُخ کرتے ہوئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے۔“

اتنی جان! تین برس قبل آپ کی طرح میں بھی اسے اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا۔ مجھے اس کی صورت تک دیکھنا گوارا نہ تھی لیکن اب مجھے آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی کہ مجھے اس کا انتظار رہتا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی شکل دیکھ کر ہی مجھے اپنے مستقبل کے متعلق اطمینان ہو جائے گا۔ آپ کو یہ شکایت تھی کہ جب بھی وہ دو چار دن کے لیے یہاں آتا ہے تو الفجارہ کے سرکردہ لوگ جن میں سے اکثر نے ابھی تک مجھ سے ملاقات تک نہیں کی، اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے ہیں وہ ان کی شاہانہ دعوتیں کرتا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی خفیہ محفلوں میں کیا باتیں

ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ الفجارہ کے شیوخ کے ساتھ اس کی دلچسپی صرف ہماری بہتری کے لیے ہے۔ وہ انھیں یہ اطمینان دلانے کی کوشش کر رہا ہے کہ جب تک وہ پُر امن رہیں گے ہماری جاگیروں کی طرح دوسرے علاقے بھی نصرازیوں سے محفوظ رہیں گے۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ ان سرکش لوگوں نے تین سال کے عرصے میں کوئی بنیاد نہیں کی۔ اگر وہ ابوالقاسم کے مشوروں پر عمل نہ کرتے تو ہمارے لیے یہ زمین بھی تنگ ہو چکی ہوتی۔ پچھلی مرتبہ اس نے آپ کی موجودگی میں یہ کہا تھا کہ اب الفجار کے لوگ یہ سمجھ چکے ہیں کہ وہ پُر امن رہ کر ہی فرڈی مینڈ کا اعتماد بحال کر سکتے ہیں اور فرڈی مینڈ کو بھی یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ میں اس کا وفادار ہوں۔ اس لیے وہ دن دور نہیں جب وہ کسی بڑی ذمہ داری کا سختی سمجھ کر مجھے غرناطہ واپس بلا لے گا۔

ملکہ عائشہ نے حسرت بھجے لبے میں کہا "اگر ابوالقاسم اتنا ہی نیک اور فرڈی مینڈ اتنا ہی نادان ہوتا تو تم الحمراسے نہ نکلتے۔ کاش! تمھاری ماں تمھیں بار بار اس زہریلے سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے سے روک سکتی جو تمھیں کئی بار ڈس چکا ہے۔ ابو عبد اللہ! میں اس وقت سے ڈرتی ہوں جب ابوالقاسم تمھارے پاس فرڈی مینڈ کا آخری پیغام لے کر یہاں آئے گا اور تم پھر ایک بار مجھ سے یہ کہو گے کہ تم نے اڑدھبے کے منہ میں سر دے دیا ہے۔"

"اتی جان!" ابو عبد اللہ نے سراپا احتجاج بن کر کہا "آپ ابوالقاسم کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتیں کہ وہ بے وقوف ہے۔ وہ اپنی زندگی کے آخری پیام یہاں بسر کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اگر مجھے یہاں سے حیرت کرنا پڑی تو وہ خود اور اس کے خاندان کے لوگ بھی الفجارہ میں

نہیں رہ سکیں گے۔"

ملکہ نے کہا "ابوالقاسم نے دشمن کی برخد مات سرانجام دی ہیں ان کے باعث وہ الفجارہ میں ایک جاگیر کے علاوہ کئی اور جاگیریں حاصل کر سکتا ہے۔ اسے ہمارے پڑوس میں اس لیے جاگیر دی گئی ہے کہ جب تک ہم یہاں ہیں اس کے ملازم اور کارندے ہماری نگرانی کرتے رہیں۔ اس نے الفجارہ میں اپنے جاسوسوں کا جال بچھا دیا ہے، جو اسے تمام حالات سے باخبر رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے گھر کی کوئی بات تک ان سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ ہم اپنے کسانوں اور گھریلو ملازموں کے متعلق بھی وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کون ہمارا وفادار ہے اور کون ابوالقاسم یا فرڈی مینڈ کے لیے جاسوسی کرتا ہے۔ قبائل میں کمزور لوگوں کا دل خریدنے کے لیے وہ فرڈی مینڈ کے خزانے سے جتنی رقم چاہے خرچ کر سکتا ہے اور یوسف کا یہ دعویٰ غلط نہیں تھا کہ ابوالقاسم کے تمام رشتہ دار اور نوکر جنگ کے دنوں میں دشمن کے لیے جاسوسی کیا کرتے تھے۔ افسوس ہے تم پر سب کے غلوں کی قدر نہ کر کے اور اسے چاروں طرف سے مایوس ہو کر تمھارا ساتھ چھوڑنا پڑا۔ اور اب یہ ملتا ہے کہ جو لوگ غرناطہ سے ہمارا حال پوچھنے آتے ہیں، وہ پہلے مصعب کے پاس جاتے ہیں۔ اس کے گھر میں صرف سادہ ہی ایک ایسی لڑکی ہے جس سے ہمیں کمی ہمدردی کی توقع ہو سکتی تھی۔ وہ میری گود میں کھیلا کرتی تھی اور اس کی ماں مجھے ایک بیٹی کی طرح عزیز تھی لیکن مصعب نے شاید اسے بھی ہمارے پاس آنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ کئی ماہ سے میرے پاس نہیں آئی۔"

ابو عبد اللہ نے مضطرب ہو کر جواب دیا "اتی جان! آپ اطمینان رکھیں۔ اگر مصعب پر کوئی الزام ثابت ہوا تو اسے پوری سزا دی جائے گی، لیکن

اب اس موضوع کے چھیڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آپ ان باتوں سے مجھے اندس چھوڑنے پر آمادہ نہیں کر سکتیں۔ افزلقہ کی خاک چھانسنے کی بجائے میرے لیے خود کشتی کر لینا زیادہ آسان ہے۔

ملکہ چند ثانیے کے غلام میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھتی رہی پھر اچانک کرسی سے اٹھی اور اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر لڑا کھڑی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ ابو عبد اللہ اٹھ کر درتپکے کی طرف بڑھا اور پھر زینے سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک اسے زینے پر تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی اور چند لمحے بعد اس کی بیوی بدحواسی کی حالت میں کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ آپ نے پھر کوئی جھگڑا کیا ہے؟

ابو عبد اللہ پریشان ہو کر بولا "اتنی جان نے آپ سے کوئی شکایت کی ہے؟"

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ فوراً نیچے چلیں!"

ابو عبد اللہ بھاگتا ہوا نیچے اترتا اور چند ثانیے بعد جب ملکہ عائشہ کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بے حس و حرکت اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ کمینز اور خادما میں سلطان کو دیکھتے ہی ادھر ادھر ہٹ گئیں۔ اُس نے جھک کر ایک ہاتھ سے اس کی نبض ٹٹولتے اور دوسرا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "اتنی! اتنی! مجھے معاف کر دیں۔ میرا مقصد آپ کو خفا کرنا نہیں تھا۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کر دوں گا۔"

ماں کی پھرائی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ابو عبد اللہ اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بے اختیار چلا یا تم کیا

دیکھ رہی ہو؟ طیب کو بلاؤ!!
چھوٹی ملکہ نے کہا "طیب ابھی آجاتا ہے۔ میں نے اس کو لانے کے لیے نوکر کو بھیج دیا ہے۔"

"اتنی جان! اتنی جان!!" ابو عبد اللہ نے دوزانو ہو کر اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگایا اور سسکیاں لینے لگا۔

ایک عمر رسیدہ طیب کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ایک طرف ہٹایا اور ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی نبض ٹٹولنے لگا۔ مریضہ کے ہونٹ ہل رہے تھے لیکن اس کے تیار دار اکھڑتی ہوئی سانس کے سرا کوئی آواز نہ سن سکے اور جب بوڑھا طیب اپنے تھیلے سے کوئی دوا نکال رہا تھا تو غرناطہ کے حلاوطن بادشاہ ابو عبد اللہ کی ماں نے ایک بھر بھری لی اور اس کے چہرے پر موت نے پردے تان دیے۔

طیب نے دوبارہ اس کی نبض ٹٹولنے کے بعد ابو عبد اللہ کی طرف دیکھا اور انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر سر جھکا دیا۔

کچھ دیر تک ابو عبد اللہ کو اس کی موت کا یقین نہ آیا۔ پھر یکایک اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ نکلا اور وہ ماں کے پاؤں پر سر رکھ کر بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد چند سوار قرب و جوار کی بستیوں میں ملکہ عائشہ کی وفات کی اطلاع دینے کے لیے روانہ ہو چکے تھے اور ابو عبد اللہ نچلی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھا اپنے کاتب کو ابو القاسم اور غرناطہ کے عیسائی گورنر مینڈوزا (کاونٹ آف ٹنڈیل) اور چند سرکردہ لوگوں کے نام خطوط لکھوا رہا تھا۔ اس نے مینڈوزا سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اپنی والدہ کی میت اپنے

آبائی قبرستان لانا چاہتا ہے اور البر القاسم کو اس نے یہ تاکید کی تھی کہ وہ غزنہ کی حکومت سے اجازت حاصل کرنے کے لیے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے کام لے۔ اگر حکومت کو کوئی خدشہ ہو تو میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ الفجارہ سے جو آدمی میت کے ساتھ آئیں گے، ان کی تعداد بہت کم ہوگی، ان میں کوئی آدمی مسلح نہیں ہوگا اور میں میت کو سپردِ خاک کرتے ہی ان کے ساتھ واپس چلا آؤں گا۔

اپنا ایک کینز کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے منموں بے میں کہا "عالیجاہ! ملکہ عالیہ فرماتی ہیں کہ آپ انچھوں کو غزنہ بھیجنے سے پہلے بڑی ملکہ کی وصیت پڑھ لیجیے!"

ابھی تک ابو عبد اللہ کو اپنی ماں کی وصیت کا علم نہ تھا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور کچھ کئے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

چند شایعہ بعد وہ اپنی بیوی کے سامنے کھڑا تھا۔ چھوٹی ملکہ نے اسے ایک کاغذ پیش کرتے ہوئے کہا "چند ماہ قبل آپ کی والدہ نے مجھے تاکید کی تھی کہ یہ خط ان کی وفات کے بعد کھولا جائے۔ ابو عبد اللہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کاغذ پکڑ لیا اور شکایت کے لہجے میں بولا "آپ نے کبھی اس خط کا ذکر تک نہیں کیا۔"

"یہ اُن کا حکم تھا اور تھوڑی دیر قبل مجھے اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ یہ خط میرے لیے ہے یا آپ کے لیے۔"

ابو عبد اللہ خط پڑھنے میں مصروف ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

ابو عبد اللہ کی ماں نے لکھا تھا :

و ایک کم نصیبان کے بد نصیب بیٹے!

اس دنیا میں کتنے ہی عزیز ایسے تھے جو ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ موت کبھی یہ نہیں دیکھتی کہ مرنے والوں کی کیا اہمیت تھی یا ان کے جتنے کے کتنے کام ادھورے رہ گئے ہیں۔

وقت مسافرانِ عدم کو کسی تیاری کا موقعہ نہیں دیتا۔

میرے بیٹے! اب مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ میں زیادہ تر زندگی کا بوجھ اٹھا سکوں۔ اس دیرانے میں اپنی موت کا تصور کرتے ہوئے مجھے بارہا تم سے کچھ کہنے کا خیال آیا۔ لیکن ایک بار نزع کے عالم میں بھی اپنے بیٹے کو پریشان دیکھنا پسند نہیں کرتی اس لیے میں اپنی وصیت بہو بیگم تمہاری ملکہ کے سپرد کر رہی ہوں۔

غزنہ چھوڑنے سے قبل میں یہ سوچا کرتی تھی کہ کسی دن مجھے تمہارے باپ کے پہلو میں دفن کیا جائے گا مگر ان کی قبر پر آخری بار حاضری دیتے ہوئے جب میں کسی دور افتادہ مقام پر اپنی آخری آرام گاہ کا تصور کر رہی تھی تو انتہائی بے کسی کی حالت میں بھی مجھے اطمینانی محسوس ہوا تھا کہ مرنے والوں کی ارواح کے درمیان سارے غلطی ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے میں نے الفجارہ پہنچتے ہی اپنی قبر کے لیے ایک مزدوں جگہ تلاش کر لی تھی میرے بیٹے! تم وہ صدیوں پرانا قبرستان تو دیکھ ہی چکے ہو جہاں مجاور نے ہمیں طاق کے زمانے کے چند شہیدوں کی قبریں دکھائی تھیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ اگر مرنے

سے پہلے مراکش نہ جاسکوں تو مجھے ان بزرگوں کے قدموں میں
دفن کر دیا جائے! — عید کے دن وہاں ہزاروں لوگ
وہاں سے مغفرت اور فاتحہ خوانی کے لیے جاتے ہیں۔ جب
گزشتہ عید پر وہاں گئی تھی تو میں نے قبرستان کے بوڑھے
مجاور سے اپنی یہ آخری خواہش بیان کر دی تھی۔

میری قبر پر تھیں متبرہ تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں
تاریخ کے صفحات سے اپنا نام حذف تو نہیں کر سکتی، لیکن مجھ پر
تھارا آخری احسان یہی ہو سکتا ہے کہ تم دنیا کے سامنے میری قبر
کی نمائش نہ کرو۔ اس سے میری روح کو تکلیف ہوگی۔

ابو عبد اللہ! جب کسی قوم کی سلطنت تباہ ہوتی ہے تو اس
کے تاجداروں کے آخری نشان بھی مٹ جاتے ہیں اور میں اس
عمران کی ماں ہوں جس نے اپنے ہاتھوں سے اندلس کے مسلمانوں
کی آخری سلطنت کا چراغ گل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک عالیشان
مقبرہ کی بجائے میری شکستہ قبر سے اٹھنے والی گرد پر ہی کسی کو
رحم آجائے۔

تمہاری ماں

ابو عبد اللہ نے کاغذ اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور دیر تک سسکیاں لیتا
رہا۔ پھر وہ اچانک کمرے سے باہر نکل گیا۔
دوسرے دن الفجارہ کے طول و عرض سے ہزاروں آدمی مکہ عائشہ
کے جنازے کے لیے جمع ہو چکے تھے۔

فرڈی نیٹنڈ کی سوچ

ابوالقاسم طلیطلہ کے شاہی محل میں فرڈی نیٹنڈ اور ملکہ انا بیلہ کی سند
کے سامنے مودب کھڑا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ بادشاہ اور ملکہ نے تجلیے میں بھی
اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی دعوت نہیں دی تھی۔

چند ثانیے وہ سر دھری سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر فرڈی نیٹنڈ
نے کہا: "ہمیں ابو عبد اللہ کی ماں کی وفات کی خبر سے تین دن بعد غرناطہ سے
تمہاری روانگی کی اطلاع مل چکی تھی، لیکن ہمارا خیال تھا کہ تم الفجارہ کے تازہ
حالات معلوم کرنے کے بعد ہمارے پاس آؤ گے؟"

"عالیجاہ!" اس نے جواب دیا "الفجارہ سے خبر رسانی کے متعلق
میرے انتظامات اتنے مکمل ہیں کہ وہاں کے معمولی معمولی واقعات بھی میری
نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ غرناطہ سے روانگی سے قبل میں نے گورنر
سے ملاقات کی تھی اور ان کا بھی یہی خیال تھا کہ موجودہ حالات میں میرا آپ کی
قدم لہری کے لیے حاضر ہونا ضروری ہے۔"

ملکہ انا بیلہ نے کہا: "ابوالقاسم! تم نے گزشتہ ملاقات میں ہم سے
یہ وعدہ کیا تھا کہ تم کسی دن ہمارے پاس یہ خوشخبری لے کر آؤ گے کہ اندلس کی

زمین ابو عبد اللہ کے وجود سے پاک ہو چکی ہے؟
 "ملکہ عالیہ! مجھے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے جس وقت کا انتظار تھا وہ آچکا ہے۔ ملکہ عائشہ کی وفات سے آپ کے غلام کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو چکی ہے۔ اب میں کسی مزاحمت کا خطرہ محسوس کیے بغیر ابو عبد اللہ سے وہ بات کہہ سکتا ہوں جو اس کی مال کی زندگی میں نہیں کہی جاسکتی تھی۔ مجھے ملکہ عائشہ سے یہ وعدہ ہو سکتا تھا کہ اگر اس پر معاہدہ کے خلاف کوئی نیا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو وہ پوری شدت کے ساتھ مزاحمت کرے گی اور ابو عبد اللہ بھی اس کے ذہن سے سوچنے پر مجبور ہو جائے گا۔ وہ انفجار کے جگہ قبائل کو بھی بغاوت پر آمادہ کر سکتی تھی لیکن اب میں ابو عبد اللہ کو قسطہ کی ملکہ کی آخری خواہش کے احترام پر مجبور کر سکتا ہوں۔ میں اسے مستقبل کا وہ نقشہ دکھا سکتا ہوں کہ وہ رضا کارانہ طور پر افریقہ چلا جائے اور انفجار کے قبائل کو اس بات کا احساس بھی نہ ہو کہ بادشاہ سلامت یا ملکہ عالیہ کی طرف سے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی ہوئی ہے۔
 فرڈی نینڈرٹس نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ اگر ابو عبد اللہ خاموشی سے مراکش چلا جائے تو اسپین کی آئندہ نسلیں تمہیں اپنا عظیم ترین محسن سمجھیں گی اور مستقبل کے مرتفع جہاں ہماری فتوحات کا ذکر کریں گے وہاں تمہاری خدمات کو بھی فراموش نہیں کریں گے۔
 "عالیجاہ! ایک غلام اپنے آقا کی خوشنودی سے زیادہ کسی اور انعام کی ترقا نہیں کر سکتا۔
 "ابوالقاسم! بیٹھ جاؤ!! ہم تمہیں اپنا غلام نہیں بلکہ اپنا دوست سمجھتے ہیں۔"

ابوالقاسم پیچھے ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔
 ملکہ ازابلہ جو اس طاقات کے دھن پہلی بار مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی، بولی: "ابوالقاسم! ہم نے تمہاری سابقہ خدمات فراموش نہیں کیں، لیکن ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم کب تک اپنی آخری ذمہ داری پوری کر سکو گے؟"
 "ملکہ عالیہ! اگر مجھے حکومت کے خزانے سے ابو عبد اللہ کی جاگیر کی قیمت ادا کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو میری داپسی سے چند دن بعد آپ یہ خوشخبری سنیں گی کہ آپ کا غلام اپنا آخری فرض ادا کر چکا ہے۔ اگر غلام کے حاکم کو اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا تو مجھے یہاں آنے کی ضرورت پیش نہ آتی، لیکن انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ابو عبد اللہ کے متعلق آپ کی خواہشات کیا ہیں۔ مینڈرٹس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی طرف سے طویل کے دربار میں کوئی ایسی تجویز پیش نہیں کر سکتا جس سے معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔
 تمہیں یقین ہے کہ ابو عبد اللہ انفجارہ میں اپنی جائیداد فروخت کر کے پر آمادہ ہو جائے گا؟"
 "عالیجاہ! مجھے یقین ہے۔"
 "لیکن تم جانتے ہو کہ گزشتہ جنگ کے باعث ہمارے خزانے خالی ہو چکے ہیں اور ہم ابو عبد اللہ کو منہ مانگی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔"
 "عالیجاہ! میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ وہ آپ کی طرف سے زاد راہ کے طور پر معمولی رقم بھی بہت بڑا انعام سمجھے گا۔ اگر مینڈرٹس کو حکم دیں تو غلام کے خزانے سے بھی اس رقم کا انتظام ہو سکتا ہے۔ پھر یہ رقم شاہی

خزانے پر بوجھ نہیں ہوگی اور جو رقم آپ ابو عبد اللہ کو عطا کریں گے اس سے کہیں زیادہ اس کی جاگیر فروخت کر کے وہ دل کی جانے لگی۔
 • اگر غرناطہ کے خزانے سے مطلوبہ رقم دستیاب ہو سکتی ہے تو تمہیں کل ہی غرناطہ کے گورنر کے نام ہمارا حکم مل جائے گا۔ اسے یہ بھی ہدایت کر دی جائے گی کہ سلطنت کی بہتری کے لیے تمہیں ہر وقت غرناطہ کے خزانے سے مطلوبہ رقم نکلوانے کی اجازت ہے۔ تمہارے خیال میں ابو عبد اللہ کی ایک شئی کے لیے کتنی رقم کی ضرورت ہوگی؟
 • عالیجاہ! میری کوشش یہی ہوگی کہ اس کے ساتھ حضور کا آخری سودا زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ ڈوگٹ میں ہی چکا دیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اس رقم سے بھی کچھ بچا لوں۔
 • ملکہ ازابیلا نے حیرت زدہ ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "صرف ایک لاکھ ڈوگٹ؟ ابو القاسم! اگر اس سے ہماری الجھن دور ہو سکتی ہے تو ابو عبد اللہ کی جاگیر تمہارا انعام ہوگی اور جتنی رقم تم بچا سکو گے وہ بھی تمہاری ہوگی۔"

فرڈی نینڈ نے کہا: "نہیں ملکہ! ہسپانیہ کی تاریخ کا یہ معمار جس نے ہمارے لیے غرناطہ کے دروازے کھولے تھے، اس سے بہتر انعام کا حق دار ہے۔ الفجارہ میں اس کو ہم نے ابو عبد اللہ کی جاگیر کے پاس جو جاگیر دی ہے، وہ اس کی خدمات کا صلہ نہیں تھا، بلکہ اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ اس بہانے ابو عبد اللہ ادا آپس کے خامیوں کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھی جائے۔ جب ابو عبد اللہ رخصت ہو جائے گا تو ابو القاسم کو زیادہ اہم ذمہ داریاں سونپی جائیں گی اور ہم اس کی خدا داد صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے

کی کوشش کریں گے، لیکن اس وقت تو ہمارے مہمان کو آرام کی ضرورت ہے۔"

اس کے بعد مجلس برخواست ہو چکی تھی اور ابو القاسم شاہی مہمان خانے کا رخ کر رہا تھا۔

فرڈی نینڈ کچھ دیر کسی گہری سوچ میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔

ملکہ نے پوچھا: "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

• کچھ نہیں! " فرڈی نینڈ نے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے

جواب دیا۔

• آپ کو یقین ہے کہ ہمیں ابو عبد اللہ سے نجات مل جائے گی؟

• ملکہ! ابو عبد اللہ سے ہمیں اسی دن نجات مل گئی تھی جب وہ غرناطہ

سے رخصت ہوا تھا۔

• تو پھر آپ کس بات سے نگر مند ہیں؟ کیا آپ ابو القاسم کے وعدوں

پر یقین نہیں ہے؟

"میں اس کی آمد کی اطلاع پاتے ہی سمجھ گیا تھا کہ اب ابو عبد اللہ سے

نجات حاصل کرنے کا وقت آچکا ہے، لیکن میرے نزدیک اس سے

کہیں زیادہ اہم مسئلہ اس آدمی سے نجات حاصل کرنا ہے جو بھیر ٹیپے

زیادہ خوشخوار اور ٹوٹری سے زیادہ متکا رہے۔ میں اس گتے کی دنا داری پر کیے

یقین کر سکتا ہوں جس نے اپنے ہی مالک کو کاٹ کھایا ہو۔ اپنی قوم کے دشمن

غیر دل کے کیونکر دوست ہو سکتے ہیں؟

"لیکن اب ہمارے لیے اس کی دوستی یا دشمنی کیا اہمیت رکھتی ہے

وہ جس سلطنت کا وزیر تھا، وہ مٹ چکی ہے۔ وہ جس قوم کا فرد تھا اس پر ہم

کمل فح حاصل کر چکے ہیں۔ آپ اس دندے کے متعلق فکر مند کیوں ہیں جس کو ہم ہر وقت پتھر سے میں بند کر سکتے ہیں۔

”اذا بیلا! ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ ابو القاسم نے اپنا مستقبل ہمارے ساتھ وابستہ کر لیا ہے۔ فرض کرو کہ کسی دن اس کے دل میں یہ خیال آجائے کہ اس کے مقاصد کسی اور کا ساتھ دینے سے زیادہ پوزے ہو سکتے ہیں تو وہ ہمارے لیے کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ جب ہم اس سے ابو عبداللہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے تو ہمیں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اگر یہ شیطان یہاں آنے کی بجائے ترکوں کے امیر البحر اور ساحل بربر کے جہازوں کے پاس پہنچ جاتا تو ہماری تباہی کے لیے اس کی تجاویز کیا ہوتیں؟“

ملکہ نے بے قرار ہو کر کہا ”خدا کے لیے مجھے پریشان نہ کیجیے! میرے نزدیک ہسپانیہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے آپ حل نہ کر سکیں۔ آپ نے غرناطہ کی نکال کے ایک کھوٹے سکتے سے وہ کام لیا ہے جو کسی اور کے لیے اس ملک کی ساری دولت لٹا دینے کے بعد بھی ممکن نہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جب آپ یخسوس کریں گے کہ اب آپ کو اس کھوٹے سکتے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اس کو غائب کر دینے میں آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔“

فرڈی نینڈ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور انا بیلا کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے سر سے ایک پہاڑ کا بوجھ اتر چکا ہے۔

غذاری کا حصلہ

طلوع آفتاب کے وقت ایک لڑکی ملکہ عائشہ کی قبر پر جنگلی پھول چڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہی تھی اور قبرستان کی مسکت دیوار سے باہر ایک حبشی لڑکا زیتون کے درختوں کے قریب دو گھوڑوں کی لگائی تھامے ہوئے کھڑا تھا۔ لڑکی کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا اور قبرستان کی خاموش فضا میں اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ چند قدم دور تین مجاور اپنی کوٹھریوں کے باہر کھڑے تھے۔ ایک لڑکا جنوب کی طرف سے بھاگتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور اس نے کہا ”سلطان منعم تشریف لارہے ہیں۔“

مجاور جلدی سے اس گڈنڈی کی طرف بڑھے جو قبرستان کی طرف آتی تھی۔ انھیں بلند ٹیلے کے نشیب میں آٹھ سوار دکھائی دیے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ قبرستان کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ایک آدمی نے ابو عبداللہ کے سفید گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ باقی مجادوں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ ابو عبداللہ نے ان کے سلام کا جواب دینے کے بعد اپنی جیب سے چند سکتے نکال کر ایک بوڑھے مجاور کے ہاتھ میں تھما دیے۔

اور آگے بڑھ گیا۔

قبرستان کے اندر چند قدم چلنے کے بعد اپنی ماں کی قبر پر ایک اجنبی لڑکی کو دیکھ کر وہ رکا اور کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔
لوٹ جا مجھ اور بھاگ کر اس کے قریب پہنچا اور اس نے کہا "عالی جاہ!"
یہ لڑکی اکثر ملکہ کی قبر پر پھول چڑھانے آتی ہے۔

"تمہیں معلوم ہے وہ کون ہے؟"

"عالی جاہ! ہم نے اکثر اسے ابوالقاسم کے قلعے کی طرف سے آنے جاتے دیکھا ہے۔ پہلے وہ دوسری عورتوں کے ساتھ پیدل آیا کرتی تھی اور اب گھوڑے پر سوار ہو کر آتی ہے اور وہ جیسی لڑکا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے وہ ابوالقاسم کے کسی رشتے دار کی بیٹی ہے۔ اگر حضور کا حکم ہو تو میں اس سے پوچھ لوں کہ وہ کون ہے؟"

"نہیں!" ابو عبد اللہ نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "اسے اطمینان سے فاتحہ پڑھنے دو۔ میری ماں کو ایسے پُر خلوص لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ابو عبد اللہ جھکتا ہوا آگے بڑھا اور قبر کے قریب جانے کی بجائے اس نے پندرہ بیس قدم دور رک کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھالیے۔

لڑکی دعا ختم کرنے کے بعد مڑی اور ٹھٹھک کر ابو عبد اللہ کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر چند ثانیے توقف کے بعد وہ آہستہ آہستہ اپنے ساتھی کی طرف بڑھی اور ایک درخت کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد جب ابو عبد اللہ اپنی ماں کی قبر پر سر جھکائے کھڑا تھا تو

لڑکی درخت کی اوٹ سے نیچلی اور جھکتی ہوئی اس کے قریب پہنچی:
"عالی جاہ!" اس نے منہم لہجے میں کہا "میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔"

ابو عبد اللہ نے چونک کر پیچھے دیکھا اور بولا "ایک جلاوطن بادشاہ اپنی قوم کی ایک نیک دل بیٹی کی کون سی خواہش پوری کر سکتا ہے؟"

"عالی جاہ! یہ لیجیے!" لڑکی نے چپکتے ہوئے قیمتی موتیوں کا ایک ہار ابو عبد اللہ کو پیش کرتے ہوئے کہا "آپ کی قوم کے نجاہ کی ایک بیوہ اس ہار پر ہمیشہ خنک بکارتی تھی۔ جس دن الحرام سے اس کے شوہر کی شہادت کی خبر ملی تھی، اسی دن بڑی ملکہ بذات خود اس کی دل جوئی کے لیے آئی تھیں اور انہوں نے اپنا یہ ہار اتار کر اس کے گلے میں ڈال دیا تھا۔"

عالی جاہ! یہ بیوہ خاتون میری ماں تھیں۔ انہوں نے آخری سانس لینے سے پہلے یہ ہار میرے گلے میں ڈال دیا تھا۔ اب میں بڑے ادب سے یہ تھخہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ اس ہار کو فروخت کرنے سے جو رقم حاصل ہو، وہ ملکہ عالیہ کے مزار کی تعمیر و خرچ کی جائے۔"

ابو عبد اللہ کے دل پر چمک لگا۔ اس نے کرب ناک لہجے میں کہا "نہیں! میں ایک یتیم لڑکی سے اپنی ماں کا تھخہ واپس نہیں لے سکتا۔"

لڑکی ادب سے بولی "میرا مقصد آپ کی دل آزاری نہ تھا۔ اگر مجھے الفجارہ میں آپ کے حالات کا علم نہ ہوتا تو میں یہ حرات نہ کرتی۔"

ابو عبد اللہ نے بڑی شکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا "بیٹی! میں اتنا ہی دست نہیں کر اپنی ماں کے لیے ایک چھوٹا سا مقبرہ بھی تعمیر کر سکیں اگر میرے پاس کچھ نہ ہوتا تو بھی الفجارہ کے مسلمان کم از کم میری اعانت ضرور کرتے۔"

میرے پاس انفجار کے علاوہ غرناطہ اور دوسرے علاقوں سے بھی کئی دوزد مال اعانت کی پیش کش لے کر آئے لیکن میری مال کی آخری خواہش یہی تھی کہ اُن کے لیے کوئی مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ اگر آج ان کی روح ہم سے ہمکلام ہو سکتی تو وہ یقیناً یہی کہتیں کہ میرے لیے ایک نیک دل لڑکی کی پر خلوص دعائیں اور پھولوں کا تحفہ موتیوں کے اس ہار سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ یہ ہار اپنے گلے میں ڈال لو!

لڑکی چند لمبے سر جھکائے کھڑی رہی۔ اچانک ابو عبد اللہ نے موتیوں کا ہار پکڑ کر اس کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا ”تم ابو القاسم کے گھر سے آئی ہو؟“

”جی ہاں ابادشاہ سلامت!!“ اس نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے جواب دیا ”ابو القاسم دور کے رشتے سے میرے ماموں جان اور مصعب میرے خاؤ ہیں۔“

”اور مصعب کو یہ معلوم ہے کہ تم یہاں آیا کرتی ہو؟“

”عالیجاہ! میں اپنے باپ کی بیٹی ہوں اور یہاں آنے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ مصعب خاؤ کے طرز عمل کے خلاف آپ کو کوئی شکایت ہو سکتی ہے لیکن میری خاؤ اور خاؤ میری والدہ پر ملکہ عالمیہ کے احسانات نہیں بھول سکتے۔ جب میں گھر سے نکلتی ہوں تو مصعب خاؤ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں قبرستان کی طرف جا رہی ہوں۔ ایک مرتبہ وہ خود بھی میرے ساتھ آئے تھے اور میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اُن کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔“

”تمہارا نام سعاد ہے؟“ ابو عبد اللہ نے سوال کیا۔

”جی ہاں!“

”میری ماں تمہاری بہت تعریف کیا کرتی تھیں۔“

سعاد نے آنکھوں میں آنسو پٹیتے ہوئے کہا ”ان کی شفقت میرے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔ مجھے مرتے دم تک یہ ندامت رہے گی کہ میں علما کے آیا۔ میں اُن کی کوئی خدمت نہ کر سکی۔“

”اچھا بیٹی! خدا حافظ! اجب تک تم جیسی لڑکیاں میری ماں کو اپنی دُعاؤں کا مستحق سمجھیں گی، انھیں یہ شکایت نہیں ہوگی کہ اندلس کی زمین سے اُن کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔“

سعاد نے خدا حافظ کہا اور تھوڑی دیر بعد وہ قبرستان سے باہر اپنے گھوڑے پر سوار ہو رہی تھی۔



ایک رات ابو عبد اللہ اپنے محافظ دستے کے سالار کے ساتھ شہر خج کھیل رہا تھا کہ ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا ”عالیجاہ! ابو القاسم غرناطہ سے واپس آگئے ہیں۔“

”وہ کہاں ہے؟“ ابو عبد اللہ نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

”عالیجاہ! وہ اپنے گھر میں ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے شام کے وقت پندرہ بیس سواروں کو اُن کے گھر کا رخ کرتے دیکھا تھا۔“

”تمہیں یقین ہے کہ ابو القاسم ان کے ساتھ آیا ہے؟“

”جی ہاں! ہمارے آدمی غرناطہ کے راستے کی ایک بستی سے اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں۔“

”لیکن ابوالقاسم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟ وہ سیدھا یہاں کیوں نہیں آیا؟“ ابو عبد اللہ بے چارگی کی حالت میں اپنے بوڑھے ساتھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اُس نے کہا“ غالیجاہ! ممکن ہے کہ اس نے رات کے وقت آپ کو جگانا اور تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سفر کی تھکاوٹ کے باعث وہ گھر پہنچتے ہی اپنے بستر پر دراز ہو گیا ہو۔“

لیکن یہ الفاظ ابو عبد اللہ کی قلبی ذکر کے اس نے ملازم کی طرف متوجہ ہو کر کہا ”تم میرے داروں کو یہ ہدایت کر دو! کہ وہ اسے یہاں پہنچتے ہی ہمارے پاس لے آئیں۔“

ملازم کمرے سے باہر نکل گیا۔

ابو عبد اللہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ چہرہ کھیل میں مصروف ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے شطرنج کی دو بازیاں ہارنے کے بعد اس کی طبیعت اچانک برکتی تو اس نے کھیل ختم کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا ”اب شاید وہ صبح سے پہلے یہاں نہ آ سکے۔ اس لیے تم جا کر آرام کرو۔“

بوڑھا سالار اٹھ کر کمرے سے نکل گیا اور ابو عبد اللہ دیر تک بے چینی کے عالم میں ٹھنڈا رہا۔ اس کے بعد وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے بستر پر لیٹ گیا، لیکن ذہنی اضطراب کی وجہ سے اسے دیر تک نیند نہ آئی۔ پھر جب ملکہ اس کے ہاتھ پکڑ کر جگانے کی کوشش کر رہی تھی تو اس نے آنکھیں کھولتے ہی پوچھا ”ابوالقاسم آگیا ہے؟“

”ہاں!“ ملکہ نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

ابو عبد اللہ بستر سے اٹھ کر ننگے پاؤں درپچھے کی طرف بڑھا اور پردہ اٹھا

کر باہر چھانکتے ہوئے بولا ”اب بہت دیر ہو گئی ہے“

”عالیجاہ! آپ بہت دیر سوئے ہیں۔“

”اس نے کوئی اطلاع بھی نہیں بھیجی؟“

”ابوالقاسم نے؟“

”آپ کو معلوم نہیں کہ وہ اپنے گھر پہنچ چکا ہے؟“

”مجھے صبح ہوتے ہی اطلاع مل گئی تھی۔“

”آپ میرا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیں۔ میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔“

”آپ اُس کے پاس جانا چاہتے ہیں؟“ ملکہ حیران ہو کر اپنے شوہر کی

طرف دیکھنے لگی۔

”ابو عبد اللہ نے قدرے تلخ ہو کر جواب دیا ”جی ہاں! آپ کو کوئی اعتراض ہے؟“

ملکہ نے جواب دیا ”جب تک آپ کی والدہ زندہ تھیں مجھے ایسی باتوں کے متعلق سوچنے کی کبھی ضرورت نہ تھی اور اب میں آپ سے کوئی بات کہنا چاہتی ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک پہاڑ کا بوجھ صرف پہاڑ ہی اٹھا سکتا ہے۔ اگر آپ مجھے اپنے جھٹکے کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی اجازت دیں تو میں یہ عرض کر دوں گی کہ سلطان ابوالحسن اور ملکہ عائشہ کا بیٹا اور کیسے سرتاج اُس فدا کر کے گھر نہیں جاسکتے میں آپ کے ساتھ افریقہ کی خاک چھانسنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یہ تو بہن ہرگز برداشت نہیں کر سکتی! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو اپنی آمد کی اطلاع بھی نہ دے اور آپ اس کے گھر پہنچ جائیں۔“

ابو عبد اللہ کچھ دیر سر جھکائے سوچا رہا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک کینز کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے محافظ دستے کے سالار

کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ وزیر ابوالقاسم آ رہا ہے۔

سلطان نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا "ملکہ! اب آپ کا کیا حکم ہے؟"
ملکہ نے آبدیدہ ہو کر کہا "عالیجاہ! میں تو محض التجا کر سکتی ہوں اور میری
التجا اتنی ہی ہے کہ آپ پہلے اطمینان سے ناشتہ کریں اور ملاقات کے
دوران اسے یہ احساس نہ ہونے دیں کہ آپ ایک غدار سے بے تکلیف ہونے کے
لیے اس قدر بے تاب تھے۔"



ایک ساعت بعد ابو عبد اللہ بالائی منزل سے نیچے اتر آؤزینے کے
سامنے اس کے محافظ دستے کا سالار اور چند دوسرے مسلح آدمی کھڑے
تھے۔

سالار نے ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا "عالیجاہ! ابوالقاسم
کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ چند نصرانی فوجی بھی آئے
ہیں۔ میں نے مسلح آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ ابوالقاسم نے
بھی اصرار نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ وہ آپ کے لیے قیمتی تحائف
لائے ہیں۔ ہم نے اُن کے صندوق خجروں سے اُتر کر ملاقات کے کمرے میں
رکھوا دیے ہیں۔"

ابو عبد اللہ کچھ کئے بغیر ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا۔ ابوالقاسم
کرسی سے اٹھا اور گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا "عالیجاہ! مجھے عجب
اس بات کا ملال رہے گا کہ میں ملکہ عالیہ کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ حالانکہ
ایسے تھے کہ مجھے اچانک طلیطلہ جانا پڑا۔ میں علی الصبح فاتحہ خوانی اور دُعا

منفرت کے لیے ان کی قبر پر گیا تھا اور مجھے بار بار یہ خیال پریشان کرتا ہے
کہ کاش! ان کی آخری آرام گاہ ان کی شان کے شایاں ہوتی۔"

ابوالقاسم کی زبان سے ہمدردی کے چند رسمی الفاظ نے ابو عبد اللہ
کے سارے گلے دُور کر دیے اور اُس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "ابوالقاسم!
آپ تشریف رکھیں! مجھے رات کے وقت آپ کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔"
"عالیجاہ! میں گھر پہنچتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا، مگر
رات کے وقت آپ کے آرام میں خلل ہونے کی بُرات نہ ہوئی۔ میری فرودگزشت
کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فرڈی نینڈ نے مجھے آپ کی خدمت میں ایک نذرانہ
پیش کرنے کا حکم دیا تھا اور رات کی تاریکی میں اس پہاڑی راستے پر بار برداری
کے خجروں کو یہاں پہنچانا مشکل تھا۔ میں خود بھی بہت تھک چکا تھا۔ فرڈی نینڈ
اور ازا بیلہ کو بھی ملکہ عالیہ کی وفات کی خبر سن کر بہت صدمہ ہوا اور اُن کی یہ
خواہش تھی کہ اب اگر الفجارہ میں آپ کا جی نہ لگے تو آپ کو پورے احترام
کے ساتھ رخصت کیا جائے اور آپ کو یہ احساس نہ ہونے دیا جائے کہ آپ
الفجارہ میں قیام کے دوران اپنی ساری پونجی گٹا چکے ہیں۔"

ابو عبد اللہ کو اچانک یہ محسوس ہوا کہ ایک معصوم بھینڑ کی کھال کے
اندہ ایک بھینڑ یا چھپا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر تو اس کے منہ سے آواز نکلتی
بالآخر ڈوبتی ہوئی آواز میں بولا "ابوالقاسم! اگر تم فرڈی نینڈ کی طرف سے
کوئی نیا منصوبہ لے کر میرے پاس آئے ہو تو صاف صاف بات کرو!"

"عالیجاہ! آپ کو میرے خلوص کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں
ہونی چاہیے۔ میں نے صرف آپ کی خاطر طلیطلہ کا سفر اختیار کیا تھا اور جب
آپ یہ صندوق کھول کر دیکھیں گے تو آپ کو یہ شکایت نہیں ہوگی کہ میں

کام لٹا ہوں۔ میں آپ کے لیے اسی ہزار "دو کٹ" کا اندازہ لایا ہوں، مجھے اس بات کا بہت افسوس تھا کہ آپ کی پونجی ختم ہو چکی ہے اور جو تھوڑے بہت آدمی آپ کے پاس رہ گئے ہیں انہیں آپ پوری تنخواہ بھی نہیں دے سکتے۔ یہ جاگیر آپ کے گزارے کے لیے کافی نہیں اور آپ اسی ہزار دو کٹ کے عوض مراکش یا الجزائر میں اس سے زیادہ زمین حاصل کر سکتے ہیں۔"

ابو عبد اللہ کی رگوں کا سارا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ کچھ دیر وہ پھرتی ہوئی آنکھوں سے ابوالقاسم کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنا کٹ غصے سے کانپتا ہوا اٹھا اور اپنا خنجر نکال کر بلند آواز میں چلایا "ذیل آدمی! تم غدار ہو!! تم وہ سانپ ہو جو مجھے کئی بار ڈس چکا ہے، لیکن اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔" ابوالقاسم نے جلدی سے اٹھ کر ایک طرف پھٹتے ہوئے کہا "عاجیبا! آپ کو مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سوچ لینی چاہیے کہ مجھے قتل کرنے کے بعد آپ کا انجام کیا ہوگا؟۔۔۔ انفجارہ کے قبائل آپ سے نفرت کرتے ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی دل چسپی نہیں کہ انہیں چھوڑنے کے بعد آپ کہاں جائیں گے، لیکن میں ان کی آہنری ڈھال ہوں اور میری موت کے بعد ان پر جو تباہی نازل ہوگی، اس کی ساری ذمہ داری آپ پر ڈالی جائے گی۔ صرف انفجارہ پر ہی تباہی نہیں آئے گی بلکہ غرناطہ کی گلیاں بھی بے گناہ مسلمانوں کے خون سے بھر جائیں گی۔ کیا آپ مجھے اس بات کی سزا دینا چاہتے ہیں کہ میں اپنی زندگی میں آپ کے مستقبل کے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں؟۔۔۔ ابو عبد اللہ! میں آپ کا نہیں نہیں ہوں۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ میرے بعد آپ کو آئے دن نئے

آلام و مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور آپ کسی دن تنہا نہیں رہ جائیں گے تو میں آپ کو ہجرت کرنے کا مشورہ نہ دیتا۔ جب آپ نے فرڈی نینڈ کو اپنی نیک سیتی کا ثبوت دینے کے لیے غرناطہ چھوڑ دیا تھا تو مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اس کے بعد وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، لیکن تنگ اندر رہا ہوں نے اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی ہے کہ ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ میں فرڈی نینڈ اور ازبلا کو مطمئن کرنے کی ہر امکانی کوشش کر چکا ہوں مگر ان کے ذہن سے کلیسا کے زہریلے اثرات زائل کرنا میرے بس کی بات نہیں۔"

ابو عبد اللہ کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنا خنجر پیچھے ہٹا لیا اور کہا "اب بھی کوئی بد بخت میرے متعلق یہ سوچ سکتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں؟" آپ اپنی قوم کو اپنی بے بسی اور بے چارگی کا احساس دلا سکتے ہیں مگر کلیسا کے راہب جنہوں نے الحجار کی شان دیکھی ہے، انہیں یہ اطمینان کیسے دلا جا سکتا ہے کہ آپ انفجارہ میں تھوڑی سی زمین پر قانع رہ سکتے ہیں میں ان کا یہ خدشہ کیسے دور کر سکتا ہوں کہ کسی دن آپ ترک اور برابر افواج کی اعانت سے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لینے کی کوشش کریں گے؟۔۔۔ عاجیبا! آپ کا خاندان آپ کے احساسات سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اس وقت میری گفتگو سے آپ کو تکلیف ضرور ہوگی، لیکن جب آپ افریقہ کے کسی ملک کی آزاد رضاؤں میں سانس لیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ جلد از جلد اس گزراہ سے نکل جائیں۔ اگر آپ کو مستقبل کی الجھنوں اور مصیبتوں سے نجات دلانے کی اور کوئی تدبیر میرے ذہن میں آ سکتی تو میں یہاں نہ آتا آپ یہ کہہ سکتے

ہیں کہ میں آپ کی توقعات پوری نہیں کر سکا، لیکن خدا شاہد ہے کہ میں نے دانستہ طور پر آپ سے کوئی برائی نہیں کی۔ ہم زمانے کے گرداب میں پھنس گئے ہیں۔ مجھے اپنی فکر نہیں لیکن آپ کو اس گرداب سے نکالنا میں اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں۔ میں آپ کے پاس فرڈی نیسنڈ کی طرف سے کوئی حکم لے کر نہیں آیا۔ اگر آپ یہیں رہنے پر رضہ ہوں تو میں خاموشی سے واپس چلا جاؤں گا اور مرتے دم تک اپنے حقے کا بوجھ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ فرڈی نیسنڈ کو بھی اس بات کا کوئی ملال نہیں ہوگا کہ آپ نے اسی ہزار کا نذرانہ رد کر دیا ہے۔ وہ کچھ عرصہ اور آپ کو اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کا موقع دے گا لیکن کسی نہ کسی دن ملکہ ازاہلا اور خداوندان کلیسا کی خواہشات اس کی ذاتی مصلحتوں پر غالب آجائیں گی اور پھر آپ کے پاس وہ ایچی آئیں گے جن کی زبان میری زبان سے زیادہ سخت ہوگی اور آپ انھیں خنجر دکھا کر مرعوب نہیں کر سکیں گے۔

البرعید اللہ کی حالت اس آدمی کی سی تھی جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر سمند میں پھینک دیا گیا ہو۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "والو العاسم! میں اپنے قاتل کو اپنی کھال اتارنے کی لذت سے محروم نہیں کروں گا۔ مجھے بحری سفر کا انتظام کرنے کے لیے صرف چند نفقوں کی مہلت درکار ہے۔"

اب "عالیجاہ! میں نے ایک انتہائی ناخوشگوار فرض ادا کیا ہے۔ اب آپ کے لیے بحری سفر کا انتظام فرڈی نیسنڈ کی ذمہ داری ہے اور میں اس سے یہ وعدہ کر رہا ہوں کہ آپ کے لیے ہر کاری جہاں فراہم کیے جائیں گے اور آپ کو شاہانہ اعزاز کے ساتھ نصیب کیا جائے گا۔"

"نہیں! فرڈی نیسنڈ کو میرے لیے جہاز مہیا کرنے کی ضرورت نہیں میں اپنے لیے انتظام کر سکتا ہوں۔ کل میرا ایچی مراکش روانہ ہو جائے گا اور مجھے یقین ہے کہ مراکش کا حکمران اپنے جہاز بھیجنے کے لیے میری درخواست رد نہیں کرے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے راستے میں ہی کوئی جہاز مل جائے۔ مجھے صرف اتنی اجازت چاہیے کہ میں کسی قریب ترین بندرگاہ سے سوار ہو سکوں۔"

"عالیجاہ! میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ جو جہاز آپ کو لینے کے لیے آئیں ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ اگر مراکش کا حکمران آپ کو پناہ دینے پر آمادہ ہو تو فرڈی نیسنڈ کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہاں! وہ ترکوں کے کسی جہاز کو ساحل کے قریب آنے کی اجازت نہیں دیگا۔" ترکوں کو اندس کے ساحل تک پہنچنے کے لیے فرڈی نیسنڈ کی اجازت کی ضرورت نہیں، مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ میری ذلت اور رسوائی دیکھیں۔ تم فرڈی نیسنڈ کو میری طرف سے یہ اطمینان دلا سکتے ہو کہ مراکش کے علاوہ کسی اور ملک میں جائے پناہ تلاش نہیں کر دیں گا۔ اگر تم مالقہ میں بحری فوج کے کسی افسر کو جانتے ہو تو اس کے نام یہ خط لکھ دو کہ میرے ایچی کو مراکش کے ساحل پر اتار دیا جائے۔"

"عالیجاہ! فرڈی نیسنڈ کا ایک خاص آدمی غلیظہ سے میرے ساتھ آیا ہے اور کل علی الصبا آپ کے ایچی کو مالقہ کے کسی ذمہ دار افسر کے نام اس کا خط مل جائے گا۔"

"تم کتنے فرض نشناس ہو والو العاسم! تمہارا کوئی انتظام اڈھورا نہیں ہوتا۔ سچ کہنا تم مجھے کتنے دنوں تک یہاں سے نکالنے کا وعدہ کر کے گئے

ہو؟
 "عالیجاہ! اب ایسی تلخ باتوں سے کیا فائدہ؟ میں جانتا ہوں کہ میں ایک انتہائی ناخوشگوار فریضہ انجام دے رہا ہوں۔"
 "تم کب تک یہاں ٹھہرو گے؟"
 "اگر آپ اجازت دیں تو دو تین دن آرام کرنے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

"مجھے رخصت ہوتے نہیں دیکھو گے؟"
 "عالیجاہ! اگر حالات نے اجازت دی تو ہو سکتا ہے کہ میں چند دنوں تک واپس آ جاؤں، ورنہ ساحل پر ہماری ملاقات ضرور ہوگی۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔"
 "کہو!"

"عالیجاہ! الفجارہ میں یہ خبر مشہور نہیں ہونی چاہیے کہ آپ جا رہے ہیں!"

"تمہارا خیال ہے کہ الفجارہ میں بناوت ہو جائے گی؟"
 "نہیں! لیکن لوگ آپ کو پریشان ضرور کریں گے۔"
 "تم فرڈی فینڈ کو یہ اطلاع بھیج سکتے ہو کہ جب تک میں یہاں روانہ نہیں ہو جاتا، میرے انتہائی قابل اعتماد ساتھیوں کے سوا کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ آج ہمارے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں۔"
 ابوالقاسم کرسی سے اٹھ کر بولا "اب مجھے اجازت دیجیے! انشاء اللہ میں اپنے قیام کے دوران ہر روز یہاں حاضری دینے کی کوشش کروں گا۔"
 ابوعبداللہ نے اٹھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا، لیکن جب وہ

مصافحہ کر کے دروازے کی طرف بڑھا تو ابوالقاسم کے دل میں کوئی خیال آیا اور اس نے کہا "ابوالقاسم! ٹھہرو! میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"
 ابوالقاسم مرکز اس کی طرف دیکھنے لگا "فرمائیے!"

ابوعبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا "میں سمجھ رہا ہوں کہ جب میں یہاں سے ہجرت کر جاؤں گا اور فرڈی فینڈ کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ تم اس کی اہم ترین ضرورت پوری کر چکے ہو تو ملکہ آنا بیلا یا کلیسا کے اکابر سے یہ سوچنے پر مجبور نہیں کریں گے کہ اب کسی چھوٹے کام کے لیے ایک بڑے آدمی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مجھ جیسا احمق یہاں رہ کر بھی اس کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتا تھا، لیکن جب اسے یہ احساس ہوگا کہ تم ضرورت سے زیادہ ہوشیار ہو اور تمہاری ذہانت اس کے لیے بھی کوئی خطرہ پیدا کر سکتی ہے تو وہ کتنا عرصہ تمہارے ساتھ بنا کر سکے گا؟"

ابوالقاسم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ چند ثانیے اضطراب کی حالت میں ابوعبداللہ کی طرف نکٹا رہا۔ بالآخر دوسری ہوئی آواز میں بولا "میں نے اپنی استعداد کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہیں اور یہ مسئلہ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے کہ میرا انجام کیا ہوگا۔"

ابوعبداللہ نے آگے بڑھ کر اس کے کانڈھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "میرے دوست! میرے مدد تمہیں پریشان کرنا نہیں۔ پھر بھی ہر اس کی ایک آخری منزل ہوتی ہے اور مجھ جیسے لوگ جو ایک اور بے نشان راستوں پر قدم اٹھاتے ہیں کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان کی آخری منزل کہاں ہے، لیکن تم ایک ہوشیار آدمی ہو، اس کے باوجود میں تمہیں یہ مشورہ دینے کی ضرورت

مخسوس کرتا ہوں کہ تمہیں غروب آفتاب اور طلوع آفتاب کے درمیان ہر لمحہ یہ سوچنا چاہیے کہ وہ رات جو سرور آپکی ہے کہیں تمہاری آخری رات اور وہ صبح جو اس کے بعد آئے گی کہیں تمہاری آخری صبح نہ ہو۔ اب جاؤ! ابوالقاسم!! اگر موقع ملا تو ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔

تھوڑی دیر بعد ابوالقاسم قلعے سے باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا اور ابو عبد اللہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

شہسوار

چار دن بعد۔۔۔ ابوالقاسم غرناطہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور سعاد جسے اس کی موجودگی میں گھر سے نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ دوسرے روز صبح ہوتے ہی غرناطہ کی سمت جانے والے کشادہ راستے پر گھوڑا دوڑا رہی تھی۔

یہ راستہ جو قریباً ڈیڑھ میل آگے ایک ٹیلے کے کنارے بل کھاتا ہوا بائیں جانب پہاڑ کے نشیب و فراز میں گم ہو جاتا تھا دائیں طرف نسبتاً سنگ اور دھواڑ گرا تھا اور ایک ٹیلے کے عقب سے قبرستان کی طرف جاتا تھا۔ حبشی غلام سعاد سے کچھ دور پیچھے آ رہا تھا۔ ایک موڑے بجکر نسبتاً کشادہ اور ہموار راستے پر اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

قبرستان کے قریب وہ گھوڑے سے اتر کر اپنے ساتھی کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک مجاور بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام لے کر بولا "جناب! آپ کا غلام ساتھ نہیں آیا؟"

"وہ پیچھے آ رہا ہے۔"

سعاد بچوں کا گمہ ستہ ہاتھ میں لیے آگے بڑھی اور اسی نے ملکہ

عائشہ کی قبر پر پھول چڑھانے کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھالیے
دعا ختم کرنے کے بعد وہ تنگ وادی کی دھولان پر گھنے درختوں سے
اُن بلند چٹانوں کی طرف دیکھ رہی تھی جن کی برہنہ چوٹیاں سورج کی روشنی میں
چمک رہی تھیں۔ ایک عقاب ضنا میں اُڑ رہا تھا اور اس کی پرواز کے دائرے
بتدریج بلند ہو رہے تھے۔ سعاد کچھ دیر آسمان کی طرف دیکھتی رہی۔ جب وہ
واپس لوٹنے کا ارادہ کر رہی تھی تو اچانک اس کی نگاہیں تنگ وادی کے پار
قریب ترین چٹان کی چوٹی پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

ایک سوار چوٹی پر نمودار ہوا اور ادھر ادھر دیکھنے کے بعد نیچے اترنے
لگا۔ سعاد پہلی نظر میں ہی اندازہ لگا چکی تھی کہ اس کے لیے گھوڑے کے منبر
جی نیچے اترنا ممکن نہیں۔ وہ اسے خبردار کرنا چاہتی تھی کہ تم موت سے کیل
رہے ہو، لیکن اس کی آواز سوار کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ اضطراب
اور بے بسی کی حالت میں دونوں ہاتھ اٹھا کر اُسے اشارہ کر رہی تھی۔ سوار بندرہ
میں گزرتے اترنے کے بعد گھوڑے سے نیچے کود پڑا اور اس کی لگام پکڑ کر
کھینچنے لگا۔

”نہیں! نہیں!!“ سعاد پوری قوت سے چلا رہی تھی۔ اس کا غلام اور
قبرستان کے مجاور بھی بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچے۔

غلام نے کہا: ”جناب! وہ یقیناً کوئی پاگل ہے لیکن خودکشی کے لیے
اسے اپنے ساتھ ایک خوب صورت گھوڑا ہلاک کرنے کی ضرورت نہ تھی۔
آگے دھولان اتنی خطرناک ہے کہ ایک بکری بھی نیچے نہیں اتر سکتی۔ اگر آپ
اجازت دیں تو میں اسے روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”خدا کے لیے جاؤ!“ سعاد نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

غلام بھاگتا ہوا قبرستان سے نکلا اور گھنے درختوں میں دوپوش ہو گیا
سعاد اور تینوں مجاور اس کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد
حبشی غلام پوری قوت سے آوازیں دے رہا تھا ”خدا کے لیے رک جاؤ!
تم نیچے نہیں آ سکتے۔“

بوڑھے مجاور نے سعاد سے کہا: ”جناب! آپ احتیاط سے چلیے!
آگے ایک گہرا گڑھ ہے۔“ دیکھیے! اُس نے گھوڑے کو ایک ایسے
خطرناک جگہ لاکر چھوڑ دیا ہے جہاں سے اُس کا لوٹنا ممکن نہیں ہے۔
”کیون وہ خود کہاں ہے؟“ سعاد نے رُک کر چٹان پر نظر دوڑاتے ہوئے
پوچھا۔

مجاور نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”جناب! اس جھاڑی
کی طرف دیکھیے! وہ چٹان کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ وہاں تو کھڑا ہونے کے
لیے بھی کوئی جگہ نہیں۔ اگر وہ رُک جاپے تو شاید اسے کوئی مدد مل سکے،
لیکن اب وہ نیچے سرک رہا ہے۔ اس وقت تک آپ کے نوکر کی آوازیں
یقیناً اس کے کانوں تک پہنچ چکی ہوں گی۔ وہ پاگل نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے
کہ اسے کسی بہت بڑے خطر سے یا کسی ایسے مقصد نے اس اقلیم پر مجبور کیا ہے
جسے وہ اپنی زندگی سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔“

سعاد دم بخود ہو کر کبھی اس مصیبت زدہ آدمی اور کبھی اس کے گھوڑے
کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اچانک چھ سوار جن کے خود دھوپ میں چمک رہے تھے یکے بعد دیگرے
چٹان کی چوٹی سے نمودار ہوئے اور چند لمحوں نیچے دیکھنے کے بعد تیرا تھوڑے پڑے
لگے۔ اجنبی کے سر کے اوپر چٹان کا کچھ حصہ باہر کی طرف جھکا ہوا تھا اس لیے

وہ حملہ آوروں کی زد سے محفوظ تھا، مگر اس کا گھوڑا ایک بھاری پتھر سے زخمی ہو کر اُچھلا، گرا اور راستے میں چٹان کے ابھرے ہوئے کناروں سے ٹکراتا ہوا سعاد کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی خوف ناک آواز فضا میں گونجتی رہی۔

پھر اجنبی کے پاؤں سے ایک پتھر کھسک کر نیچے گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی جھاڑی کی ایک شاخ جو اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھی تھی ٹوٹ گئی۔ وہ چٹان کے ساتھ رگڑ کھاتا ہوا چند گز نیچے ایک اور جھاڑی سے ٹک گیا۔ پھر جب جھاڑی کی کمزور شاخیں اس کے بوجھ سے ٹوٹنے لگیں تو اس نے ایک موٹی سی شاخ پکڑ لی اور اپنے پاؤں ایک پتھر پر جھادیے۔

”اللہ تمھاری مدد کرے! اللہ تم پر فضل کرے!!“ سعاد قدم مستم ہوا دعائیں مانگتی ہوئی آگے بڑھی، لیکن جیسی غلام بھاگتا ہوا واپس آیا اور اس نے کہا ”جناب! آپ آگے نہ جائیں۔ آپ کو درختوں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ مجھے شک ہے کہ یہ وہی نصرانی ہیں جو آقا کے ساتھ آئے تھے اور یہ اجنبی اپنے لباس سے مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ اب وہ لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے اس کی جان ای صورت میں بچ سکتی ہے کہ حملہ کرنے والے اس کو مردہ سمجھ کر چھوڑ جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آدمی جس کے متعلق ہم اس قدر پریشان ہیں کوئی دشمن ہو، جو ہماری طرف سے کسی ہمدردی کا حق دار نہ ہو۔ اگر آپ اس کا گھوٹا اچھی طرح دیکھ سکتیں تو شاید آپ بھی میری طرح ہی محسوس کریں کہ وہ بالکل وزیر اعظم ابوالقاسم کے گھوڑے کی طرح تھا۔“

”تم تو بالکل ہو گئے ہو۔ ہر خوب صورت گھوڑے کو اپنے آقا کی ملکیت سمجھتے ہو!“

غلام کو کچھ اور کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سعاد کی نگاہیں اجنبی پر مرکوز تھیں۔ بوڑھے مجاور نے کہا: ”جناب!

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔“

سعاد نے چوٹی کی طرف دیکھا۔ حملہ آور گھوڑوں کی نگاہیں پکڑ رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

سعاد نے تھوڑی دیر توقف کے بعد کہا ”تمہیں یقین ہے کہ وہ نیچے آ سکے گا؟“

”جناب! اگر اس کی ہمت جواب نہ دے گی تو شاید اس کی جان بچ جائے۔ وہ چٹان کے انتہائی خطرناک حصے سے نیچے آچکا ہے۔ اگر وہ کھڈ تک پہنچ گیا تو ہمارے لیے اسے اس طرف لانا مشکل نہیں ہوگا، لیکن آپ یہیں ٹھہریں!“

”نہیں! میں کھڈ تک تمھارے ساتھ چلوں گی۔“

بوڑھے مجاور نے سعاد کے ساتھ چلتے ہوئے کہا ”جناب! اگر وہ نصرانی میں تو جس آدمی کا انھوں نے اس چٹان تک پیچھا کیا ہے، اس کی ہلاکت کے متعلق پورا اطمینان حاصل کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ چند دشوار گزار گھاٹیاں عبور کرنے اور ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد وہ اس طرف آ سکتے ہیں اس لیے ہمیں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے اندر اندر اجنبی کو وہاں سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پہنچا دینا چاہیے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ اپنے گھوڑے پر واپس چلی جائیں اور گھر سے چند مساع آدمی یہاں بھیج دیں۔“

”نہیں! ہمارا کوئی آدمی ایک اجنبی کی جان بچانے کے لیے نصرانیوں کے ساتھ الجھنا پسند نہیں کرے گا۔ تم واپس جاؤ! اور ہمارے گھوڑے یہاں

لاکڑی درخت کے ساتھ باندھ دو! اس کے علاوہ پانی بھی لے آؤ! اگر اُس کی جان بچ گئی تو میں تم سب کو دس دس سہری دینا انعام دوں گی۔
 بوڑھا آدمی بھاگتا ہوا واپس چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد باقی تین آدمی کھڑے اترنے لگے۔ سدا کھڑی اجنبی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بدستور دونوں ہاتھوں سے جھاڑی کی شاخ تھامے چٹان کے ساتھ چٹا ہوا تھا۔ اچانک سدا کے غلام کی آواز سنائی دی "ہم تمہاری مدد کے لیے آرہے ہیں۔ تمہارے دشمن واپس جا چکے ہیں۔ تمہارے لیے سیدھا نیچے اترنا بہت خطرناک ہے، لیکن اگر تم دائیں طرف اُس شگاف تک پہنچنے کی کوشش کرو تو وہاں سے نیچے آنا زیادہ آسان ہوگا۔"
 اجنبی نے ذرا سر اٹھا کر دیکھا اور آہستہ آہستہ دائیں کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔

سدا کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ پوری قوت سے چلانا چاہتی تھی، مگر اُس کا گلا خشک ہو چکا تھا۔ اس نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں۔
 اجنبی نے پانچ منٹ میں قریباً تیس قدم فاصلہ طے کیا اور ایک برساتی آبشار کی تنگ گزرگاہ میں جو غریبا چار پانچ فٹ چوڑی اور اسی قدر گہری تھی اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا دیے۔

شاباش! ایک مجاور بلند آواز میں چلایا۔ سدا نے آنکھیں کھولیں۔
 اجنبی آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا۔

سدا کچھ دیر اس بہادر آدمی کے ہزم اور حوصلے کا ایک ناقابل یقین مظاہرہ دیکھتی رہی۔ پھر اچانک ایک درخت کی اوٹ میں ہر کر سجدے میں گر پڑی اور مارے خوشی کے ایک نیچے کی طرح رونے لگی۔

اجنبی کھڑے میں اتر کر چار منٹ منہ کے بل بے حس و حرکت پڑا ہوا۔ اسے میں سدا کا غلام اور اس کے دو ساتھی اس کے قریب پہنچ گئے۔
 اجنبی نے آہستہ سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا لباس پھٹا ہوا تھا اور اس کے ہاتھوں، گنہیوں، گھٹنوں اور پیشانی سے خون برس رہا تھا۔

بہ تمہیں یقین ہے کہ میرا پیچھا کر لے دے سوار واپس جا چکے ہیں؟ اس نے قدرے تامل سے پوچھا۔

"ہاں!" ایک مجاور نے جواب دیا "سردست آپ کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں، تاہم اس بات کا امکان ضرور ہے کہ وہ ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد دوسرے راستے سے اس طرف آنے کی کوشش کریں، اس لیے آپ کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ اگر آپ چل سکتے ہوں تو آپ سامنے ان درختوں کی اوٹ میں دشمن کی نگاہوں سے زیادہ محفوظ ہوں گے۔ اس کے بعد ہم آپ کے لیے کوئی موزوں جگہ تلاش کر سکیں گے۔ آپ کو تکلیف تو ضرور ہوگی مگر یہ چڑھائی زیادہ دشوار نہیں ہے۔"

اجنبی نے اٹھتے ہوئے کہا "چلیے! اگر قدرت نے آپ کو میری مدد کے لیے بھیجا ہے تو مجھے آپ کی رفاقت میں راستے کی مشکلات کا احساس نہیں ہوگا۔" وہ لڑکھڑاتا ہوا ان کے ساتھ ہولیا۔

چند قدم چلنے کے بعد معشی غلام نے کہا "مجھے آپ کے گھوڑے کی ہلاکت کا افسوس ہے۔ ایسے خوب صورت جانور بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ اسی رنگ اور بالکل اسی چیلے کا ایک گھوڑا میرے آقا کے پاس بھی ہے۔" "تمہارا آقا!" اجنبی مضطرب ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا تو ایک مجاور

نے کہا "یہ وزیر ابراہم کے خادم ہیں۔"

"اُن کی قیام گاہ کس طرف ہے؟"

"زیادہ دور نہیں۔"

"وہ گھر پر ہیں؟"

"نہیں! وہ غرناطہ واپس جا چکے ہیں۔"

"وہ کب؟"

"وہ کل علی الصباح روانہ ہو گئے تھے۔ لیکن جناب! آپ نے

یہ نہیں بتایا کہ آپ کے دشمن کون تھے؟"

وہ نصرانی تھے اور اب تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ میرا

بچھا کیوں کر رہے تھے۔ تمہیں یقین ہے کہ ابراہم کا گھوڑا بالکل

اسی گھوڑے جیسا تھا؟"

"جی ہاں! غلام نے جواب دیا "اُسے دُور سے دیکھ کر یہی شک

ہوا تھا لیکن اس کی لاش دیکھنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ شاید یہ میرا وہم ہو۔

ابراہم کا گھوڑا اس سے کہیں زیادہ خوب صورت اور مضبوط تھا۔"

اجنبی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔



قریباً دو تہائی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔ سعاد

دو تین منٹ بے ہوشی کی حالت میں اسے دیکھتی رہی پھر اس نے اپنے غلام

کو آواز دی "ابو یعقوب! اسے سہارا دے کر اوپر لے آؤ!"

سعاد کے غلام اور ایک مجاور نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور اُس نے

اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھرتے ہوئے کہا "مجھے چھوڑ دو۔ میرا سر جکڑانے

لگا تھا۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

اجنبی چند قدم چل کر درختوں کی اوٹ میں ایک پتھر کے ساتھ ٹیک

لگا کر بیٹھ گیا۔ بوڑھے مجاور نے مٹی کے ایک پیالے میں پانی بھر کر اس کے

منہ سے لگا دیا۔ اجنبی نے ایک ہی سانس میں یہ پیالہ خالی کر دیا۔ اور

پھر لپچائی ہوئی نظروں سے پانی کے برتن کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر مجاور نے

یکے بعد دیگرے اور دو پیالے بھر کر اسے پیش کر دیے۔

سعاد نے اپنے سر سے چادر اتار دی۔ پھر جلدی سے ریشمی کپڑے

کا ایک ٹکڑا اچھا کر پانی سے تر کیا اور اجنبی کے قریب بیٹھ کر اس کے زخم

صاف کرنے لگی۔ اُس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک اجنبی کو جڑان

کا اس قدر اپنے قریب دیکھ رہی تھی۔

جب وہ کھڑکے پار ایک بلند اور ناقابل عبور چٹان کے دامن میں زندگی

اور موت کی کش مکش میں مبتلا تھا تو سعاد اپنے تصور میں اندلس کے ان مجاہدوں

کے ساتھ اس کے رشتے جوڑ رہی تھی جو کئی روز لگا ہوں میں مردانگی کے

جوہر دکھا چکے تھے اور جب وہ سر بسجود ہو کر اس کی سلامتی کے لیے دعا مانگ رہی

تھی تو بار بار اس کے ذہن میں یہ خیال آتا تھا کہ اگر وہ اس کڑی آزمائش سے

زندہ و سلامت نکل آیا تو میں اسے یہ بتاؤں گی کہ میں فلاں باپ کی بیٹی ہوں اور

اگر آپ فلاں فلاں عمر کے میں حصہ لے چکے ہیں تو آپ یقیناً انھیں جانتے ہوں

گے۔"

لیکن اب وہ ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر ابھی تک

جوانی کی چمکی نہیں آئی تھی اور وہ ایک تجربہ کار سپاہی کی بجائے کسی مکتب کا

طالب علم معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اُس کی آنکھیں ناقابل شکست حوصلوں کی آئینہ دار تھیں۔

سعاد نے اس کے زغم صاف کرنے کے بعد چادر سے چند اور ٹکڑے بھاڑے اور ان پر ٹپاں باندھنے لگی۔ اجنبی بے خیالی میں کبھی کبھی اس کی طرف دیکھتا تو حیا اور معصیت کا احساس اُس کی آنکھوں پر پردے تان دیتا۔
”آپ کون ہیں؟“ سعاد نے پوچھا۔

”میں ایک مصیبت زدہ مسافر ہوں اور میرا نام ابو الحسن ہے۔“
”میرے لیے آپ کی مصیبت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ میں آپ کو موت سے کھیلے ہوئے دیکھ چکی ہوں، لیکن ہم زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو سکیں گے؟“

”ہاں! اگر آپ کوئی جائے پناہ تلاش کر سکیں تو میرے لیے پیدل بھاگنے کی بجائے گھوڑے پر سواری کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔“
سعاد نے کہا ”میرا باپ ایک مسلمان تھا اور جس ماں نے مجھے دودھ پلایا تھا وہ بھی ایک مسلمان تھی۔“

”معاف کیجیے! میں ناشکر گزار نہیں ہوں، مگر آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو سوار میرا پیچھا کر رہے تھے وہ نصرانی فوج سے تعلق رکھتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے قتل کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ اس لیے میری اعانت کا فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیجیے کہ میری وجہ سے آپ کو کئی خطرات پیش آ سکتے ہیں۔“

سعاد نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے جواب دیا ”یہ

مجھ ایسی باتوں کے لیے موزوں نہیں۔ میں آپ کی سرگزشت سننے سے پہلے آپ کو کسی ایسی جگہ پہنچانا چاہتی ہوں جو آپ کے دشمنوں سے محفوظ ہو۔“
اُس نے ٹوکر کو اشارہ کیا اور وہ پاس ہی کے ایک درخت سے دونوں گھوڑے کھول کر لے آیا۔

ابو الحسن اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سعاد نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ”آپ اس پر سوار ہو جائیں! اگر راستے میں کوئی خطرہ پیش آیا تو آپ اس کی تیز رفتاری پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔“

وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ سعاد نے اپنے غلام سے مخاطب ہو کر کہا: ”ابو یعقوب! تم بھاگ کر قبرستان سے آگے ٹیلے کی چوٹی سے غرناطہ کے راستے کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر ان کے دشمن نظر آئیں تو ہمیں خبر کر لینا ہم تمہارے پیچھے پیچھے آئیں گے۔“

غلام بھاگ کر درختوں میں غائب ہو گیا اور سعاد دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر مجاوروں سے مخاطب ہوئی۔ ”اگر کوئی اس طرف آ کر تم سے ان کے متعلق پوچھے تو یہ کہہ دینا کہ الفجارہ کے حریت پسند ایک آدمی کو کھڑے کھال کر مشرق کی طرف لے گئے ہیں۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ قبائل کا ایک لشکر چند کوس فاصلے پر آ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دلدیے کوئی بڑا خطرہ مول لینا پسند نہیں کریں گے۔“



تھوڑی دیر بعد انھیں ٹیلے کے ساتھ ساتھ تنگ راستے کے ایک موڑ سے جشی ٹوکر آتا دکھائی دیا۔ وہ اطمینان سے پیچھے اتر رہا تھا۔ سعاد گھوڑا روک

کر اسے دیکھنے لگی۔ غلام نے قریب پہنچ کر آواز دی "آگے کوئی خطرہ نہیں
آپ جلدی سے گھر پہنچنے کی کوشش کریں!"
سعاد نے مڑ کر ابوالحسن کو دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔
ٹیلے کے گرد نصف چکر لگانے کے بعد ابوالحسن کو سرسبز دادی
کی پشت میں ایک چھوٹا سا قلعہ دکھائی دیا۔ اس نے اپنا گھوڑا سعاد کے
قریب کرتے ہوئے سوال کیا "آپ کا گھر کہاں ہے؟"
سعاد نے گھوڑا روک کر اس کی طرف دیکھا اور قلعے کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے کہا "وہ ہمارا گھر ہے۔ اگر آپ تکلیف محسوس کر رہے ہوں
تو ہم تھوڑی دیر یہاں رُک سکتے ہیں۔"
ابوالحسن نے سوال کیا "اس قلعے میں کون رہتا ہے؟"
وزیر اعظم ابوالقاسم۔

"اور آپ....؟"

"میں بھی اسی قلعے میں رہتی ہوں۔ ابوالقاسم میرے رشتے دار ہیں۔"
"لیکن...." ابوالحسن نے مذہب ہو کر کہا "میں وہاں نہیں جاسکتا۔"
سعاد پریشان ہو کر بولی "اگر آپ کو نصرا نیوں سے خطرہ ہے تو بھی
ہمارے گھر سے بہتر کوئی اور جگہ پناہ نہیں مل سکتی۔ آپ کے دشمن اس
قلعے کی تلاشی لینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آپ کے زخموں کے علاج کے
لیے کسی اچھے طبیب کی ضرورت ہے اور ہمارا طبیب کافی تجربہ کار ہے۔"
ابوالحسن نے کہا "دیکھیے! مجھے ابھی تک آپ سے ایک ضروری
بات کہنے کا موقع نہیں ملا۔ آپ کے نوکر نے کھڈ کے اندر میرے گھوڑے
کی لاش دیکھی تھی اور اُس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ وزیر اعظم ابوالقاسم کا گھوڑا

بالکل اس جیسا تھا۔"

سعاد نے کہا "میں نے بھی دُور سے آپ کے گھوڑے کی
پہلی جھلک دیکھ کر ہی محسوس کیا تھا۔ لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے
اس جیسے گھوڑے کئی اور بھی ہو سکتے ہیں؟"
"مگر میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ گھوڑا میرا نہیں تھا۔ وہ
مجھے راستے میں ملا تھا اور میں اپنی جان بچانے کے لیے اس پر سوار ہو گیا تھا۔
یہ داستان بہت طویل ہے۔ اگر آپ کے نوکر کا تیس صبح ہو تو مجھے
ڈر ہے کہ جو آدمی اس گھوڑے پر سوار ہو کر غرناطہ کا رخ کر رہا تھا وہ قتل
ہو چکا ہے۔"

سعاد کچھ دیر سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے
ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا "آپ نے کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا؟"
"ہاں! قتل ہونے والے کی آخری چیخ ابھی تک میرے کانوں میں
گوونج رہی ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اُس کے قاتل وہی تھے
جنہوں نے اپنا جرم چھپانے کے لیے اس چٹان تک میرا بچھا لیا تھا۔ اب
آپ یہ سوچ سکتی ہیں کہ ابوالقاسم کا قلعہ میرے لیے اور میری وجہ سے
آپ کے لیے کمال تک محفوظ ہوگا؟"

سعاد کے ذہن میں کئی سوال آئے لیکن نوکر کو قریب آتے دیکھ کر
اُس نے کہا "آپ میرے نوکر کے سامنے کوئی بات ذکر کریں اور خاموشی سے
میرے پیچھے پیچھے چلتے رہیں۔ انشاء اللہ میں آپ کو کسی زیادہ محفوظ جگہ
پہنچانے کی کوشش کر دوں گی۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "آپ میری محسنہ ہیں اور میں آپ کو کسی

مصیبت میں ڈالنا پسند نہیں کروں گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ میں غروب آفتاب تک یہاں سے کئی میل دور نکل جاؤں گا۔ پھر مجھے قبائل کی کسی بستی میں کئی مددگار مل جائیں گے۔ کل تک آپ کا گھوڑا آپ کو واپس مل جائے گا۔

”نہیں! میں اپنے دشمن کو بھی اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ بہت ہمدرد ہیں لیکن ابھی آپ سفر کے قابل بھی نہیں اور اگر کسی اچھے طبیب نے فوراً آپ کی مرہم نئی نہ کی تو آپ کے زخم بگڑ جائیں گے۔ ابوالحسن نے کہا ”میں آپ کا دشمن نہیں ہوں۔ چلیے!“

”فکر نہ آگے بڑھ کر کہا۔“ جناب! آپ رگ کیوں گئیں؟“
”ابو یعقوب!“ سعاد نے کچھ سوچ کر کہا ”تمہیں میری دلچسپی تک گھر سے دور رہنا چاہیے اور کسی سے ان واقعات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔“
”آپ کہاں جا رہی ہیں؟“

سعاد نے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے جواب دیا ”یہ واپس آکر بتاؤں گی۔“ ابوالحسن نے اس کے پیچھے گھوڑا چھوڑ دیا۔



وہ راستے کی پہاڑی عبور کر کے دوسری وادی میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ایک تدریجی ڈھلوان پر ایک کشادہ راستہ دوسرے قلعے کی طرف جاتا تھا۔ ابوالحسن کچھ دیر سعاد کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے کہا :
”ٹھہریے! اگر میں غلطی پر نہیں تو وہ قلعہ سلیمان ابو عبد اللہ کی قیامگاہ ہونی چاہیے۔ مجھے غرناطہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ ابوالقاسم کی جاگیر کی سرحد اُن

کی جاگیر سے ملتی ہے۔“

سعاد نے مزید جواب دیا ”ہاں! آپ کا قیاس درست ہے۔“

”آپ مجھے وہاں لے چلنا چاہتی ہیں؟“

”میں وہاں جانے کی جرأت نہ کرتی، لیکن یہ ایک مجبوری ہے جب

تک آپ کے زخم ٹھیک نہیں ہو جاتے، آپ کو سلطان کے ہاں ہمان رہنا پڑے گا۔ اُن کا طبیب نسبتاً تجربہ کار ہے چلیے!“ سعاد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

ابوالحسن کو تھوڑی دیر تذبذب رہا اور پھر بادلِ سخا سعاد نے بھی اپنے گھوڑے کا رخ ابو عبد اللہ کی قیام گاہ کی طرف موڑ دیا۔

وہ قلعے کے دروازے پر رُکے اور سعاد نے گھوڑے سے اتر کر پہرے داروں سے کہا ”یہ زخمی ہیں۔ انھیں ہمان خانے میں لے چلو اور فوراً طبیب کو بلاؤ!“

ایک پہرے دار نے کہا ”آپ کو معلوم ہے کہ ہم سلطان کی اجازت کے بغیر ایک اجنبی کو یہاں نہیں ٹھہرا سکتے۔“

تم سلطانِ منظم کو اطلاع دو! کہ وزیر ابوالقاسم کے گھرانے کی ایک لڑکی جسے انھوں نے ملکہ عائشہ کی قبر پر دیکھا تھا، ایک زخمی کے لیے اُن کی اعانت کی طلب کر رہے۔“

ایک افسر اچانک اندر سے نکلا اور اس نے آگے بڑھ کر کہا ”میں انھیں جانتا ہوں۔ تم زخمی کو اندر لے جاؤ!“ پھر وہ سعاد سے مخاطب ہوا :
”کل سے سلطانِ منظم کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ لیکن اگر کوئی بہت ضروری بات ہے تو شاید وہ آپ کی ملاقات انکار نہ کریں۔ میرے ساتھ تشریف لائیے!“

سعاد نے گھوڑے کی لگام ایک پہرے دار کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "میں سلطان کو تکلیف دینے سے پہلے زخمی کے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

افرنے پہرے داروں سے کہا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟ زخمی کو مہمان خانے میں لے جاؤ! اور طبیب کو اطلاع دو!"

ایک پہرے دار ابوالحسن کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے اندر لے گیا اور سعاد عمر رسیدہ افسر کے ساتھ سلطان کے سکونتی محل کی طرف چل پڑی۔



چند منٹ بعد وہ ایک کنیز کی رہنمائی میں سلطان کی ملکہ کے کمرے میں داخل ہوئی، آگے بڑھ کر ادب سے ٹھکی اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوئے بولی "جناب! میرا نام سعاد ہے۔"

ملکہ نے اٹھ کر اسے گلے لگایا اور کہا "بیٹی! تم ایک مدت بعد یہاں آئی ہو، لیکن میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں کہ تمہیں پہچان بھی نہ سکوں۔ سعاد نے کہا "اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ہر روز یہاں آیا کرتی۔ مجھے صرف بڑی ملکہ کی وفات کے دن یہاں آنے کی اجازت ملی تھی لیکن عورتوں کے جرم میں آپ تک رسائی حاصل نہ کر سکی۔ اب میں گھر میں اطلاع دیے بغیر یہاں آگئی ہوں۔"

"بیٹی! تم بہت پریشان معلوم ہوتی ہو خیر تو ہے؟"

سعاد نے جواب دیا "میں سلطان سے ایک بہت ضروری بات عرض کرنا چاہتی ہوں، لیکن شاید ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ملکہ نے کہا "وہ ان دنوں عام لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے، لیکن تم عام لوگوں سے مختلف ہو۔ بیٹھ جاؤ! میں ابھی آتی ہوں۔"

ملکہ اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔ ایک منٹ بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک قیمتی چادر تھی "بیٹی! تم اپنی چادر اتار کر یہ اوڑھ لو! اور میرے ساتھ آؤ!"

سعاد نے اپنی پھٹی ہوئی چادر اتار کر کنیز کے ہاتھ میں تھما دی اور نئی چادر اوڑھ کر ملکہ کے پیچھے پیچھے چل دی۔ چند لمحوں میں وہ محل کے ایک اور کمرے میں سلطان ابو عبد اللہ کو گزرے ہوئے واقعات سن رہی تھی۔

سلطان ابو عبد اللہ کے نزدیک ایک حبشی کے زخمی ہونے کی کوئی اہمیت نہ تھی تاہم وہ رسمی طور پر اس لڑکی کی دلجوئی کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا جسے اس نے اپنی ماں کی قبر پر آنسو بہاتے دیکھا تھا۔ اس نے کہا "بیٹی! تم اطمینان رکھو! میں اس کی جان بچانے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اس کی حالت زیادہ تشویشناک تو نہیں؟"

"نہیں عالیجاہ! اس کے زخم زیادہ تشویش انگ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا، لیکن میرے لیے پریشانی کی بات یہ ہے کہ اس کا بیچھا کرنے والے نصرانی تھے۔"

"نصرانی؟" ابو عبد اللہ نے مضطرب ہو کر پوچھا "تمہیں اس نے بتایا تھا کہ اس نے کیا جرم کیا ہے؟"

"عالیجاہ! اُس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں اس سے ساری تفصیلات نہیں سن سکی، تاہم اُس نے جو کچھ بتایا ہے اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اُس کے دشمن شاید اپنا جرم چھپانے کے لیے اس کو قتل کرنا چاہتے

تھے اور اس کا زندہ بچ کر ملنا ایک معجزہ ہے۔

”تم نے اس کا نام پوچھا ہے؟“

”عالمجاہ! اُس کا نام ابوالحسن ہے۔“

”اگر نصرانی اس کا پچھا کر رہے تھے، تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اُس کے

بے میری قیام گاہ کی نسبت تمہارا گھر زیادہ محفوظ ہے۔“

”عالمجاہ! میں اسے وہیں لے جانا چاہتی تھی لیکن راستے میں اُس کی

گفتگو سن کر مجھے اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا۔ اُس کے اُبلتے گھوڑے کا حلیہ

ابوالقاسم کے گھوڑے سے بہت ملتا جلتا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ یہ گھوڑا

اسے راستے میں ملا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ شاید..... اس گھوڑے کا

مالک قتل ہو چکا ہے۔“

ابو عبداللہ اب پہلی بار پوری بنجیدگی کے ساتھ سعاد کی طرف دیکھ رہا

تھا۔ اس نے پے درپے کئی سوال کیے، لیکن سعاد اپنی مختصر سی داستان

دہرانے کے سوا اسے کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔ اس نے ملک کی

طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”مجھے تو یہ واقعات ایک انسانہ معلوم ہوتے ہیں۔“

سعاد نے کہا: ”اگر آپ اس سے گفتگو کرنا پسند فرمائیں تو ممکن ہے کہ

وہ آپ کے سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکے۔“

”بہت اچھا! میں اس سے ملاقات کرنا چاہوں۔“

ملک نے کہا: ”میرے خیال میں سر دست کسی اور کو ان باتوں کا علم

نہیں ہونا چاہیے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ جب طیب اس کی مرہم پٹی سے

فارغ ہو جائے تو آپ اسے یہیں بلا لیں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی

اس سے چند سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔“

انکشاف

کچھ دیر بعد ابوالحسن اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کی بجائے نیا لباس پہنے
ملاقات کے کمرے میں ابو عبداللہ، ملک اور سعاد کے سامنے بیٹھا اپنی سرگزشت
سنارہا تھا:

”عالمجاہ! میں غرناطہ سے آیا ہوں اور عام حالات میں شاید میں کبھی

اس گھر کا رخ نہ کرتا۔ میں عبید اللہ کا بیٹا ہوں اور میرا بڑا بھائی حامد بن

زہرا کے ساتھ شہید ہوا تھا، اب ایک حادثے نے مجھے آپ کی قیام گاہ میں

دھکیل دیا ہے۔ لیکن.....“

ابو عبداللہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا: ”اگر تم عبید اللہ کے بیٹے

ہو تو اس گھر کو اپنے لیے تنگ نہیں پاؤ گے۔“

ملک لبلی: ”اگر تمہارا بھائی حامد بن زہرا کی رفاقت میں شہید ہوا تھا تو اس

بد نصیب قوم پر ہم تمہارا قرض کبھی نہیں چکا سکتے۔ تم ہمارے معزز مہمان

ہو۔ اب اطمینان سے اپنی سرگزشت سناؤ۔“

ابوالحسن نے احسانمندی سے ملک کی طرف دیکھا اور کہا: ”میرے والد

نے مرتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ افریقہ کی

طرف ہجرت کر جاؤں، لیکن جب میں مہاجرین کے ایک قافلے کے ساتھ سفر

کی تیاری مکمل کر چکا تھا تو والدہ اچانک بیمار ہو گئیں اور مجھے رگنا پڑا۔ اس سے قبل میری ایک بہن اپنے شوہر کے ساتھ مراکش کی طرف ہجرت کر چکی تھیں.....

والدہ کوئی آٹھ ماہ کی علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔ ان کی آخری وصیت بھی یہی تھی کہ میں کسی تاخیر کے بغیر غرناطہ چھوڑ دوں۔ ان کی وفات سے دو دن قبل مہاجرین کا ایک قافلہ غرناطہ سے الفجاءہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ والدہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی میں اس قافلے کے ساتھ شامل ہونے کی نیت سے چل پڑا۔...

میرا گھوڑا کافی مضبوط تھا، لیکن اسے راستے میں بہت کم آرام ملا۔ کل بھی میں نے حسب معمول اس پر دو منزلیں طے کی تھیں لیکن تیسرے پہر اس نے ایک بلند پہاڑی عبور کرتے ہوئے اچانک گر کر دم توڑ دیا۔ میں آنے والی رات کسی بستی میں گزارنے کے ارادے سے پیدل چلتا رہا۔ یہ علاقہ بہت ویران تھا اور مجھے آخری پہر تک اس پاس کسی بستی کے آثار نظر آئے تو میں رات گزارنے کے لیے کسی موزوں جگہ کی تلاش میں ایک پہاڑی پر چڑھنے لگا۔...

ابو عبد اللہ نے بے چین ہو کر کہا "نوجوان! کیا تم اس تحدید کو ذرا مختصر نہیں کر سکتے؟"

ابو الحسن نے جواب دیا "عالیجاہ! آپ نے مجھے پوری سرگزشت سنانے کا حکم دیا تھا۔ اب میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ جب میں چوٹی پر پہنچا تو مجھے دوسری طرف راستے کے موڑ پر چند سوار دکھائی دیے۔ وہ تھوڑی دیر تک آپس میں کچھ مشورہ کرتے رہے پھر ایک تنگ پگڈنڈی سے

پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ ان میں سے چار پانچ آدمی ایسے تھے جو اپنے لباس سے مجھے مسلمان دکھائی دیتے تھے۔ باقی دس بارہ آدمی نصرانی سپاہی معلوم ہوتے تھے۔ ایک آدمی ابلق گھوڑے پر سوار تھا۔...

میں احتیاطاً ایک جھاڑی کی اوٹ میں لیٹ گیا۔ وہ پہاڑی کی چوٹی سے تھوڑی دور دو ٹیلوں کے درمیان ایک چھوٹے سے میدان میں ٹک گئے اور ابلق گھوڑے کے سوار کے سوا باقی سب گھوڑوں سے اتر پڑے۔ چار نصرانی اچانک اس کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک نے اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام چھین لی اور دوسرے نے اس کی ٹانگ کھینچ کر نیچے گرا دیا۔...

گھوڑا اچانک اُچھلا۔ اس کے اگلے سہ نصرانی کے سر ہلکے اور وہ گر پڑا۔ جس آدمی کو انھوں نے کھینچ کر گھوڑے سے نیچے گرایا تھا وہ پوری قوت سے چلا رہا تھا۔ تم کیا کر رہے ہو؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں شہنشاہ کا دوست ہوں۔ وہ تمہاری کھالیں کھینچا دیں گے۔... " پھر مجھے اس کی تحوت ناک چین سنائی دی۔

اس کے بعد وہ بدحواس گھوڑے کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو گھوڑا ان کے گھیرے سے نکل کر سیدھا میری طرف آ رہا تھا۔ میں بھاگنا چاہتا تھا، لیکن گھوڑے کا بیچھا کرنے والے قاتلوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے چند ثانیے بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر جب گھوڑا میرے قریب پہنچا تو میں نے اٹھ کر جست لگائی اور اس کی لگام میرے ہاتھ میں آگئی اور میں بلا توقف اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔...

سرکش گھوڑا ایک زخمی درندے کی طرح اچھلا لیکن پہاڑی کے شیب
میں اس کا جوش و خروش جلد ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ ڈھلوان زیادہ خطرناک نہ
تھی اس لیے مجھے نیچے اترتے ہوئے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ لیکن
وہاں پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ راستے میں مجھے گھیر ہی نہ لیں اس
لیے میں نے شمال کی طرف گھوڑے کی باگ موڑ دی۔

ملکہ نے پوچھا "تم نے مقتول کو اچھی طرح دیکھا تھا؟"
"نہیں! میں اس کے سفید عمامے اور قبائے صرف یہ اندازہ لگا سکا
تھا کہ وہ کوئی مسلمان ہے۔ میں نے کافی فاصلے سے اس کے چہرے کی صف
ایک جھلک دیکھی تھی۔ شاید اس کی داڑھی بھی سفید تھی، لیکن میں اس کے
خود خیال بیان نہیں کر سکتا۔"

"تم نے اُسے قتل ہوتے ہوئے دیکھا تھا؟"
"میں نے قاتلوں کو صرف چمکتی ہوئی تلواریں بلند کرتے دیکھا تھا اور
پھر ایک دل ہلا دینے والی چیخ نے میرے حواس مختل کر دیے تھے۔"
ملکہ نے پوچھا "جب وہ فریاد کر رہا تھا تو اُس کے ساتھیوں میں
سے کسی نے اس کی مدد نہیں کی تھی؟"

"نہیں! بلکہ جو لوگ مجھے مسلمان نظر آتے تھے وہ بھی خاموش
تماشا بیوں کی طرح ایک طرف کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔"
ابو عبد اللہ نے کہا "اب ایسے سوالات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں
جو لوگ ایک وزیر کو خرید سکتے ہیں، وہ اس کے نوکرانوں کے ضمیر کا سودا بھی
چکا سکتے ہیں۔"

ملکہ بولی "آپ کو یقین ہے کہ وہ ابوالقاسم تھا؟"

"ہاں! مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ چاروں آدمی اس کے انتہائی وفادار
وکر تھے اور وہ اپنی گھوڑا آخری انعام تھا جو میں نے غنائم چھوڑنے سے
ایک دن پہلے ابوالقاسم کو دیا تھا۔" سلطان ابو عبد اللہ ابو الحسن کی
طرف متوجہ ہوا "اب تم مختصر طور پر اپنی سرگزشت بیان کرو۔"

"ابو الحسن نے کہا "عالیجاہ! میں پوری رفتار سے غنائم کی طرف بھاگ
رہا تھا۔ میرے بائیں طرف ایک پہاڑ تھا اور دائیں طرف ایک خشک نالہ اور
اس کے پار دوسرا پہاڑ تھا۔ کوئی ایک میل دور اس پہاڑ کے دامن میں مجھے
ایک گلدنڈی دکھائی دی۔ میں نالہ عبور کر کے اوپر چڑھنے لگا۔ اتنی دیر میں وہ
نصرانی تیز رفتار گھوڑوں پر چھینٹے چلاتے نیچے راستے کے موڑے غودار ہو
رہے تھے۔"

ایک جگہ گھٹن چڑھائی پر گھوڑے کے پاؤں پھسل رہے تھے چنانچہ
میں اُترا اور اس کی لگام کھینچتا ہوا پیدل چل دیا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے
آ رہے تھے۔ میں نے چوٹی پر پہنچ کر گھوڑا بانڈھا اور اپنی کمان سنبھال کر ایک
چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ دشوار گزار راستے میں وہ بھی میری طرح اپنے گھوڑے
پکڑ کر پیدل چلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔۔۔۔

جب سب سے اگلا آدمی میری زد میں آ گیا تو میں نے تیر چلا دیا۔ وہ
گر پڑا اور اس کا بدحواس گھوڑا پیچھے مڑ کر پھسلتے ہوئے ایک اور آدمی کو اپنے
ساتھ کھڈ میں لے گیا۔۔۔۔

پھر میں اُٹھ کر آگے بڑھا اور چٹان کے کنارے کھڑا ہو کر تیر بڑھانے
لگا اور جب وہ اپنے دواہر ساتھیوں کو زخمی چھوڑ کر میری زد سے دور نکل گئے تو
میں نے چند بھاری پتھر چٹان سے نیچے لٹھکھا دیے۔۔۔۔

شام ہو رہی تھی۔ میں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ وہ اب تیرا بچھا نہیں کریں گے۔ گھوڑے کی لگام پکڑی اور رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں بھونک بھونک کر قدم اٹھاتا پہاڑی کی جنوب کی سمت چلنے لگا۔۔۔۔

تھوڑی دیر بعد چاند نکل آیا۔ تھکاوٹ اور پیاس کے باعث میرا ہر احوال ہلکا ہوا تھا۔ میں نے اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی چھال اُتار کر پانی کے چند گھونٹ پیے اور پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلنے کی بجائے اب اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں کہیں گھوٹوں کی ٹاپ سُن رہا ہوں لیکن اس کو ایک دھم سمجھ کر اطمینان سے چلتا رہا۔۔۔۔

پہاڑی دوسری چوٹی پر پہنچ کر میں تھکاوٹ سے بیدم ہو چکا تھا۔ آگے ایک وادی کی ڈھلوان شروع ہو چکی تھی۔ میں آدھی رات تک چلتا رہا۔ میں پانی کی چھال ختم کر چکا تھا لیکن گھوڑے کی پیاس مجھے پریشان کر رہی تھی۔ میری خوش قسمتی تھی کہ وادی کے گھنے درختوں میں مجھے ایک اُبلتا ہوا چشمہ دکھائی دیا۔ میں نے گھوڑے کو پانی پلایا۔ اپنی پیاس بجھائی اور تھوڑی دیر سنانے کے بعد پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔۔۔۔

پاس ہی کسی بستی کے کتے بھونک رہے تھے، لیکن میں اتوں رات زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا۔ میرا رخ سیدھا جنوب کی طرف تھا اور میں ساروں سے اپنی سمت کا اندازہ کر رہا تھا۔ ایک پر سفر کرنے کے بعد میں وادی سے نکل کر ایک اور پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔ اب میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ میں نے گھوڑے سے اتر کر اسے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور اس کے قریب لیٹ گیا۔

طلوع آفتاب کے قریب گھوڑے کی ہڈیاں ہٹ سُن کر میں بیدار ہوا تو مجھے درختوں کے نیچے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ میں نے جلدی سے اپنی کمان سنبھال لی۔ چند ثانیے بعد تین نصرانی سپاہی گھنے درختوں سے نمودار ہوئے۔ میرے تیروں سے ایک سوار گر پڑا اور باقی دو جن میں سے ایک کو بدحواسی کی حالت میں مڑتے ہوئے تیر لگا تھا، بھاگ نکلے۔۔۔

پھر تھوڑی دیر بعد جب میں گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ پر چڑھ رہا تھا تو بھاگنے والوں کی چیخ بیکار کے جواب میں وادی کی مختلف اطراف سے اُن کے ساتھیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور جب میں تین چار سو قدم اوپر جا چکا تھا تو دس سوار میرا بچھا کر رہے تھے۔۔۔

اس کے بعد میرے سفر کا مشکل ترین مرحلہ شروع ہو چکا تھا۔ خطرناک گھاٹیوں پر مجھے کئی بار گھوڑے سے اُترنا پڑا۔ کئی بار دشمن کو دُور رکھنے کے لیے تیر چلانے پڑے اور جب میرا ترکش خالی ہو گیا تو میں اُس پٹان پر پہنچ گیا تھا جس کے آگے ایک مہیب کھڈ مجھے موت کا پیغام دے رہی تھی۔۔۔

وہاں سے زندہ نکل آنے میں میری ہمت کو کوئی دخل نہیں جناب! اللہ نے میری مدد کے لیے ایک فرشتہ بھیج دیا تھا۔ اور اب میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کو کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ اس لیے یہی بہتر ہو گا کہ میں آج ہی یہاں سے نکل جاؤں۔“

”نہیں! نہیں!! ابو عبد اللہ نے جواب دیا۔“ تمہیں آرام کی ضرورت ہے اور ہم اپنے ہمانوں کو ایسی حالت میں کبھی رخصت نہیں کرتے۔ تمہاری وجہ سے ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔۔۔

اگر ابو القاسم کے قاتلوں کو یہ معلوم بھیج دیا جائے کہ تم میری پناہ

میں ہو، تو بھی وہ اس طرف نہیں آئیں گے۔ انھوں نے تمہارا بچھا صرف اس لیے کیا تھا کہ تم ان کے جرم کے چشم دید گواہ ہو۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم ان کے ہاتھ نہیں آئے، ورنہ یہ ممکن تھا کہ وہ اپنا جرم تمہارے سر تھوپ دیتے....

ان کے لیے غرناطہ کے کسی مسلمان کو ابو القاسم کا قاتل ثابت کرنا مشکل نہ تھا۔ لیکن تمہاری سرگزشت سننے سے پہلے مجھے تمہاری بھوک کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ اب تم کھانا کھا کر آرام کرو، مگر اس بات کا خیال رکھو کہ ابھی یہاں کسی اور کے سامنے ابو القاسم کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔ ابو عبد اللہ نے تالی بچائی۔ ایک کینز کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے حکم دیا، "اٹھیں مہمان خانے میں لے جاؤ اور نوکروں سے کہو کہ وہ فوراً ان کے کھانے کا انتظام کریں۔"

ابو الحسن اٹھ کر کینز کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گیا اور ابو عبد اللہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا :
"اس فوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا کہ غرناطہ کے اسلحہ خانے کے کتنے کارآمد تیر میری بد نصیب قوم کے کام نہ آسکے۔ یہ بہادر اور غیر فوجوان میرے متعلق کیا سوچتا ہوگا اور جب اندلس کی آئندہ نسلیں اپنی ذلت اور رسوائی کے مسکن سے الحمرا کی طرف دیکھا کریں گی تو وہ میرے متعلق کیا خیال کریں گی۔"

مکہ نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا :
"میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ابو القاسم کے متعلق آپ نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا، وہ اتنی جلدی پور سے ہو جائیں گے۔"

سعاد نے اٹھ کر کہا، "عالیجاہ! مجھے گھر سے نکلے بہت دیر ہو گئی ہے۔ اس لیے میں اجازت چاہتی ہوں۔"
ابو عبد اللہ نے پوچھا، "تم گھر جا کر کیا بناؤ گی؟"
"مجھے معلوم نہیں۔ تاہم خالوجان کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچنے کے لیے مجھے کوئی نہ کوئی بہانہ تو بنانا ہی پڑے گا۔"

"میں مصعب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسے کبھی ابو القاسم کی موت کا یقین نہیں آئے گا اور شاید وہ تمہارا یہاں آنا بھی پسند نہ کرے۔"
سعاد نے جواب دیا، "میں ان کی قید میں نہیں ہوں، ادا ان کو اس بات پر اعتراض نہیں ہو سکتا کہ میں مکہ عالیہ کو سلام کرنے گئی تھی۔"

ابو عبد اللہ کچھ دیر سوچا رہا۔ بالآخر اس نے کہا، "سعاد! تم تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو۔ میں مصعب کے نام ایک خط لکھ دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ میرا خط پڑھتے ہی یہاں آجائے گا اور تمہیں بھی گھر جا کر ابو القاسم کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بذلت خود مصعب کے گفتگو کروں گا۔ فی الحال دشمن کو یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ ہم ابو القاسم کے متعلق قطعاً بے خبر ہیں۔ اگر اسے یہاں آنے میں تاخیر ہو تو تم اسے یہ بتا سکتی ہو کہ غرناطہ سے کوئی مسافر آیا ہے جسے راستے میں ابو القاسم نے کوئی پیغام دیا ہے اور یہ پیغام ایسا ہے جو تمہارے سوا کوئی اور کے کانوں تک نہیں پہنچا چاہیے۔"

ابو عبد اللہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر ایک خط سنا کہ ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا، "یہ لے جاؤ! قلعے سے دو محافظ تمہارے ساتھ جائیں گے۔"

سعاد نے اٹھ کر کہا، "عالیجاہ! اس کی ضرورت نہیں۔ میں صرف ایک

فالتو گھوڑا گھر پہنچانے کے لیے ایک آدمی لے جانا چاہتی ہوں۔

لکھ نے اسے دروازے سے باہر رخصت کرتے ہوئے کہا "بیٹی! جب تک ہم یہاں ہیں، تمہارے لیے ہمارے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ سعادتیچے آڑی۔ توکر صحن میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے ایک نوکر سے مخاطب ہو کر کہا "میں زخمی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"تشریف لائیے!" توکر اس کے ساتھ سہانہ خنسنے کی طرف چل دیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے میں ابوالحسن کے سامنے کھڑی تھی۔ ابوالحسن اس کو دیکھتے ہی بستر سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

سعاد نے کہا "نہیں! آپ آرام سے لیٹے رہیں۔ میں جا رہی ہوں اور آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے ملے بغیر یہاں سے روانہ نہیں ہو جائیں گے۔"

وہ بولا "آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر چلا جاؤں گا؟"

سعاد نے کہا "رات کے وقت بعض ستارے آسمان سے ٹوٹتے ہیں اور اچانک غائب ہو جاتے ہیں۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "ٹوٹنے والے ستارے اپنے مقدر سے نہیں لڑ سکتے۔ لیکن میں آپ سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ آپ کی اجازت کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

وہ چند ثانیے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اُن کی آنکھیں جھجک گئیں۔

ابوالحسن نے کہا "میں سوچ رہا تھا کہ آپ جا چکی ہوں گی اور شاید میں دوبارہ اپنی محسنہ کو نہ دیکھ سکوں۔ مجھے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ میں آپ کا نام بھی نہ پوچھ سکا۔"

میرا نام سعاد ہے۔

سعاد! میں دل سے تمہارا شکر گزار ہوں، مگر مجھے اس بات کا انوس ہے کہ میں کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔

"میں بُری خبریں سننے کی عادی ہو چکی ہوں۔ خدا حافظ! سعاد نے مڑتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

"خدا حافظ!" ابوالحسن نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا اور پھر دیر تک اُس کی نگاہوں کے سامنے نوخیز، حسین اور مستحکم لڑکی کی تصویریں گھومتی رہیں۔



منصب کے لیے ابو عبد اللہ کا پیغام غیر متوقع تھا، اس نے خط پڑھتے ہی سعاد سے پوچھا "اگر ابوالقاسم نے میرے لیے کوئی پیغام بھیجا تھا تو اپنی سیدہ امیر سے پاس کیوں نہیں آیا۔ اور تم وہاں کیا لینے گئی تھیں؟"

سعاد نے جواب دیا "اپنی زخمی تھا۔ چند آدمی اُس کا پیچھا کر رہے تھے اور اسے یہ خدشہ تھا کہ ہمارا گھر اس کے لیے محفوظ نہیں۔ اس لیے میں نے سلطان کی قیام گاہ تک اس کی راہنمائی کی تھی۔ آپ فوراً سلطان کے پاس جائیں۔ اگر کوئی معمولی بات ہو تو وہ آپ کو دیکھنے کے لیے اس قدر بے چین نہ ہوتے۔"

وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔

منصب اضطراب کی حالت میں کمرے سے نکلا اور اپنے اصطل کے

بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر ابو عبد اللہ کی قیام گاہ کی طرف چل دیا۔ پھر قریب ایک گھنٹے بعد وہ ملاقات کے کمرے میں سلطان کی لنگھوٹن رہا تھا۔

ابو عبد اللہ نے مختصر اغراض سے آنے والے مسافر کی سرگزشت بیان کر دی۔ مصعب کچھ دیر سکتے کی حالت میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے کرب انگیز لہجے میں کہا "یہ ناممکن ہے۔ فرڈی نینڈ کے آدمی اسے قتل نہیں کر سکتے۔ میں خبر لانے والے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ سوراہا ہے اور اس وقت اسے جگہ نامناسب نہیں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ زخمی ہے۔ تمہارا جو نوکر سعاد کے ساتھ تھا، وہ کھڈ میں گھوڑے کی لاش دیکھ چکا ہے۔"

مصعب نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "آپ کو یقین ہے کہ وہ ابو القاسم کا گھوڑا تھا؟"

"مجر واقعات اس نوجوان نے بیان کیے ہیں، ان کی کڑیاں جوڑنے کے بعد ہم یہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔"

"لیکن ابو القاسم کے ساتھ چار محافظ ایسے تھے جو اس کے اشارے پر جان دے سکتے تھے۔ انھیں غرناطہ کے انتہائی بہادر آدمیوں میں شمار کیا جاتا تھا اور وہ تلواروں کے علاوہ پٹنیوں سے بھی مسلح تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابو القاسم کو نصرائیوں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھ کر انھوں نے معمولی مزاحمت بھی نہ کی ہو؟"

ابو عبد اللہ نے جواب دیا "یہ بات مجھے بھی ناقابل یقین معلوم ہوتی تھی لیکن جب زمانہ آنکھیں بدل لیتا ہے تو بہترین دوست بھی فریب دے جاتے ہیں۔ کل تک تم بذات خود کھڈ میں جا کر گھوڑے کی لاش دیکھ سکو گے۔ اتنی بلندی

سے گرنے کے بعد وہ بُری طرح مسخ ہو چکا ہوگا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ تمہیں اُس کے ساز میں سے کوئی نہ کوئی نشان ضرور مل جائے گا۔ ابو عبد اللہ تھوڑی دیر کا اور پھر بولا "مصعب! میں یہاں بلا کر تمہیں یہ نصیحت کرنا چاہتا تھا کہ موجودہ حالات میں تم کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔ اگر نصرانی ابو القاسم کے انتہائی قابل اعتماد ساتھیوں کا ضمیر خرید سکتے ہیں تو یہ بعد ازیں قیاس نہیں کہ تمہارے گھر میں کوئی اور ملازم بھی ان کے لیے جاسوسی کر رہا ہو۔ اس لیے تمہیں کسی پر یہ بات ظاہر نہیں کرنی چاہیے کہ تمہیں ابو القاسم کے متعلق کوئی اطلاع مل چکی ہے۔۔۔"

قاتلوں سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنا جرم دوسروں کے سر تھوپ دیں اور ابو القاسم کے انتقام کے بہانے الفجارہ میں کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اگر تمہارے سابقہ طرز عمل میں کوئی تبدیلی دیکھ کر انھیں یہ شبہ ہو گیا کہ تمہیں ابو القاسم کے انسو سناٹا انجام کی اطلاع مل چکی ہے، تو الفجارہ میں تمہارا گھر بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ تمہیں ابو القاسم نے بتا دیا ہوگا کہ مجھے الفجارہ سے ہجرت کا حکم مل چکا ہے اور میں بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا لیکن ابو القاسم نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ وہ فرڈی نینڈ کی آخری خدمت سرانجام دے چکا ہے اور اس کے بعد وہ شاید اس کو کوئی اور مہم سونپنے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرڈی نینڈ نے اپنے ایک وفادار ساتھی کو قتل کر دیا ہو؟"

ابو عبد اللہ نے کہا "کیا یہ ممکن نہیں کہ فرڈی نینڈ نے اچانک یہ محسوس کیا ہو کہ اس کا ساتھی اس کی ضرورت سے زیادہ ہوشیار ہے، اس لیے وہ کسی دن

خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ مصعب! تم بھی ایک ہوشیار آدمی ہو اور میں یہ نہیں چاہتا کہ فرڈی سینڈ تمہیں بھی اپنے لیے خطرناک سمجھ لے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ الفجارہ کی پرسکون زمین کی سطح کے نیچے ایک خطرناک لاوا ابل رہا ہے۔ کسی دن یہ جنگجو قبائل اچانک بھرک اٹھیں گے اور اپنی بقا کے لیے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے پر مجبور ہو جائیں گے، لیکن فی الحال انہیں سنبھلنے اور تیاری کرنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم کوئی جلد بازی کر بیٹھو اور یہاں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ دشمن کو اچانک یلغار کا بہانہ مل جائے!

یہ کہہ کر ابو عبد اللہ نے مصعب کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر اپنی بات جاری رکھی: "اگر تم ابوالقاسم کے قتل پر اپنے سینے میں آگ کی کوئی جنگاری محسوس کر سکو تو تمہارے لیے انتقام لینے کی واحد صورت یہی ہے کہ تم خاموشی سے مزدوروں وقت کا انتظار کرو۔ چند دن بعد تم مجھے یہاں نہیں دیکھو گے لیکن تم ان لوگوں میں سے ہر جو کسی حالت میں بھی اندس سے جلا وطن ہو ناپسند نہیں کریں گے۔ اس لیے صرف زندہ رہنے کے لیے بھی تمہیں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہوگی۔"

ابو عبد اللہ کی گفتگو کے دوران مصعب کو اس بات پر بڑی الجھن محسوس ہو رہی تھی کہ اس منکون مزاج آدمی کو جس نے اپنے انجام کے متعلق کبھی سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، ایک ایسے وزیر کے خاندان سے کیونکر ہمدردی ہو سکتی ہے جو مرتے دم تک اُس کے خلاف دشمن کا حلیف تھا، جس کی سازشوں کے باعث غرناطہ پر تباہی آئی تھی اور جو صرف چند دن قبل اُس کے پاس فرڈی سینڈ کا یہ پیغام لایا تھا کہ اب الفجارہ میں بھی تمہارے

لیے کوئی جگہ نہیں، کبھی اسے اپنے ضمیر کی چیخیں ناقابل برداشت محسوس ہونے لگتیں اور کبھی وہ یہ محسوس کرتا کہ اس کی بے بسی کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔

سلطان کچھ دیر خاموشی سے اس کے چہرے کا آثار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا: "مصعب! میں نے ایک دن، ایک نیکساں دل لڑکی کو اپنی ماں کی قبر پر آنسو بہاتے دیکھا تھا اور مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ اکثر وہاں آیا کرتی ہے۔

اُس نے مجھے ملکہ عالیہ کے مزار کی تعمیر کے لیے اپنا ہار پیش کیا تھا۔ اس کے بعد میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ جب میں اور ابوالقاسم اس دنیا میں نہیں رہیں گے تو قوم کی ان معصوم بیٹیوں کے سر پر ہمارے گناہوں کی گھڑی کتنی بھاری ہوگی۔ مجھے ڈرتا تھا کہ شاید آج تم سجاد کا یہاں آنا پسند نہ کرو۔ اس لیے میں تمہیں یہاں بلا کر تمہارا غصہ دُور کرنا چاہتا تھا۔ تم اس سے خفا تو نہیں ہوئے۔"

وہ نہیں، عالیجاہ! مصعب نے متاثر ہو کر جواب دیا: "میں سجاد سے خفا نہیں ہو سکتا۔ وہ الفجارہ آنے کے بعد ہر وقت ملکہ عائشہ کو یاد کیا کرتی تھی اور میں اس بات سے شرمسار ہوں کہ ان کی قد موبی کے لیے اُس کی حوصلہ افزائی نہ کر سکا۔ میرا خیال تھا کہ آپ ہمارے گھر کے کسی فرد کو دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔"

"اب تو تمہیں یہ اطمینان ہو جانا چاہیے کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔"

"عالیجاہ! مصعب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "میں اپنی سابقہ کوتاہیوں پر شرمسار ہوں۔"

کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد مصعب نے سلطان سے اجازت لی اور جب وہ اپنے گھر واپس آ رہا تھا تو اسے دنیا بدلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

○
ابوالحسن کے زخم تیزی سے مندمل ہو رہے تھے اور چار ہی دن میں وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو چکا تھا۔ ہر روز صبح و شام ابو عبد اللہ کے ساتھ اس کی ملاقاتیں ہوتی تھیں اور دو مرتبہ وہ اس کے ساتھ کھانا بھی کھا چکا تھا۔
انفجاریہ میں پہلی ملاقات سے قبل غرناطہ کے جلاوطن بادشاہ کے متعلق اس کے خیالات بھی وہی تھے جو ایک غیور اور بہادر انسان کے ہو سکتے ہیں۔
بچپن میں وہ ابو عبد اللہ کے نام کے ساتھ بہت فرطی اور غداری کے الفاظ سننے کا عادی تھا اور اگر اسے حالات مجبور نہ کر دیتے تو وہ اس کے گھر میں قدم تک رکھنا بھی پسند نہ کرتا، لیکن اب بتدریج اس کے خیالات میں تبدیلی آرہی تھی۔

ایک دن اس نے اپنے میزبان سے رخصت کی اجازت لینے کا ارادہ کیا، لیکن ابو عبد اللہ کا چہرہ اس قدر افسردہ تھا کہ اس کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ابو عبد اللہ نے رسمی گفتگو کے بعد اچانک کہا "ابوالحسن! کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم بہت جلد یہاں سے ہجرت کرنے والے ہیں؟"
ابوالحسن کوئی جواب دینے کی بجائے حیرت اور اضطراب کئے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
سلطان نے قدرے توقف کے بعد کہا "تم ہمارے ساتھ مراکش چلنا پسند کرو گے؟"

"عالیجاہ! میں ہجرت ہی کی نیت سے یہاں آیا تھا اور ابھی آپ سے اجازت لینے کا ارادہ کر رہا تھا اب اگر میں آپ کی رفاقت میں مسند عبد

برسکوں تو یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہوگی، لیکن مجھے ڈر ہے کہ اس کے بعد شاید ہمارے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ میں اپنے والد کے بعض دوستوں کو تلاش کرنا چاہتا ہوں، اس لیے ہو سکتا ہے کہ مجھے الجور اور تینوں کے ساحلی علاقوں کی خاک چھانی پڑے۔"

ابو عبد اللہ نے کہا "موجودہ حالات میں زیادہ مناسب یہی ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہی سفر کرو۔ عنقریب ہمیں مراکش لے جانے کے لیے جہاز پہنچ جائیں گے اور ہم اُن کی آمد کی اطلاع ملتے ہی یہاں سے کوچ کر دیں گے، لیکن فی الحال کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں فرڈی نینڈ کے ایلچی سے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں خاموشی سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"فرڈی نینڈ کا ایلچی؟"
"ہاں! وہ میرے لیے حکم لایا تھا کہ اب تم یہاں نہیں رہ سکتے، اور تم اسے دیکھ بھی چکے ہو۔"

"نہیں عالیجاہ! مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟"
"وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ میرا اپنا وزیر تھا۔"

"ابوالقاسم؟"

"ہاں! میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ جس دن فرڈی نینڈ کو یہ الطینان ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی شاہ رگ پر اس کی گرفت مضبوط ہو چکی ہے اور اب ابوالقاسم کی مزید خدمات کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اُسے آنکھیں بند کرنے میں دیر نہیں لگے گی، لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس سے نجات حاصل کرنے میں اس قدر جلد بازی سے کام لے گا۔"

ابوالحسن نے کہا "جن لوگوں کو حامد بن زہرا کی شہادت کے واقعات

کا علم ہے وہ ابو القاسم کے انجام پر تعجب نہیں کریں گے۔
 کچھ دیر بعد وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور
 پھر ابو عبد اللہ کے استفسار پر ابو الحسن نے وہ تمام واقعات بیان کر دیے
 جو اسے سلمان اور مسود سے معلوم ہوئے تھے۔ ابو عبد اللہ اپنے دل پر ایک
 ناقابل برداشت برہمچہ لے کر اٹھا اور برابر کے کمرے میں جا کر بسترہ گر گر پڑا۔
 اس کے ضمیر کی دہی ہوئی آواز بچپن میں تبدیل ہو رہی تھی۔

ابو الحسن اور سعاد

چھٹے روز ابو الحسن پہلی بار سیر کے بہانے قلعے سے باہر نکل کر اس
 پہاڑی کا رخ کر رہا تھا جو دو وادیوں کے درمیان حد فاصل کا کام دیتی تھی۔
 طلوع آفتاب کے تھوڑی دیر بعد وہ اس پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ابو القاسم
 کے قلعے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اضطراب کی حالت میں ادھر ادھر گھومنے اور
 بار بار قلعے کی طرف دیکھنے کے بعد وہ راستے سے چند قدم دور ایک پتھر پر بیٹھ
 گیا اور دیر تک سر جھکائے کچھ سوچا رہا۔
 پھر جب وہ مایوس ہو کر واپس جانے کا ارادہ کر رہا تھا تو اُسے گھوڑے
 کی ٹاپ سنائی دی۔ وہ چند ثانیے بے حس و حرکت بیٹھا رہا پھر اچانک اس
 اٹھ کر دیکھا اور اس کے دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ سعاد نے اُس کے
 قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور حیرت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
 ابو الحسن مجھکتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔
 ”آپ یہاں؟“ سعاد نے حیران ہو کر دریافت کیا۔
 ”جی! میں سیر کے لیے چلا تھا، مگر اس طرف آنکلا اور اب آپ کا
 راستہ روکنے کی جسارت پر معافی چاہتا ہوں۔“

سعاد نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ آپ بلاوجہ اس طرف نہیں آئے!"

ابوالحسن نے آنکھیں جھکائے ہوئے جواب دیا "پرسوں میں نے آپ کو سلطان کے قلعے سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"میں اپنی خالہ کے ساتھ ملکہ کے پاس گئی تھی۔ ہمیں لوگوں سے معلوم ہوا تھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ دراصل وہ آپ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔"

"میں نماز کے بعد لیٹ گیا تھا۔ اگلے روز میں آپ کا انتظار کرتا رہا اور اگر آپ بڑا نہ مائیں تو اب بھی میں آپ ہی کا راستہ دیکھ رہا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ شاید مجھے الوداع کہنے کا پھر موقع ملے۔"

سعاد کے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔ اس نے منہ سے بے چارہ بولے:

"آپ کب جا رہے ہیں؟"

"کل میں نے سلطان سے اجازت لینے کا ارادہ کیا تھا لیکن اب شاید مجھے چند دن گزنا پڑے۔ آپ کو معلوم ہے ناکہ وہ یہاں سے ہجرت کرنے والے ہیں؟"

"ہاں! خالوجان نے غرناطہ روانہ ہوتے وقت یہ خبر سنائی تھی مگر میری خالہ کو یقین نہیں آیا تھا۔ اس لیے ہم انہیں رخصت کرتے ہی ملکہ کے پاس گئی تھیں اور واپسی پر ہم اس تدر پر نشان تھیں کہ آپ کی مزاج پُرسی بھی نہ کر سکیں۔"

"مصعب غرناطہ جا چکے ہیں؟" ابوالحسن نے سوال کیا۔

"ہاں! انہیں آپ سے ملاقات کے بعد بھی یقین نہیں آسکا۔ اس دن آپ کے پاس آنے سے قبل وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر کھڈ کی طرف

گئے تھے۔ بحیرہ یے اور گیدڑ گھوڑے کی لاش بُری طرح نوچ چکے تھے لیکن سائیں اور دوسرے نوکر وں نے گھوڑے کا ساز و سامان پہچان لیا۔ پھر آپ کے ملاقات کے بعد گھر واپس آکر وہ بار بار اس بات کا اعتراف کرتے تھے:

"وہ نوجوان غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ وہ غرناطہ کے ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے باوجود وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ ابوالقاسم قتل ہو چکے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک میں بذات خود غرناطہ جا کر تحقیق نہیں کر لیتا، مجھے چہن نہیں آسکتا۔ اب خدا کرے وہ خیریت سے واپس آجائیں۔"

وہ کچھ دیر خاموش کھڑے رہے۔ پھر ابوالحسن نے کہا "سلطان ابو عبد اللہ نے مجھے اپنی رفاقت میں سمندر عبور کرنے کی دعوت دی ہے۔ فی الحال آپ اپنے گھر میں کسی اور سے اس بات کا ذکر نہ کریں۔"

سعاد نے کہا "اگر آپ مجھے الوداع کہنے آئے تھے تو یہاں کیوں رُک گئے؟ آپ کے لیے ہمارے گھر کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا۔"

"سعاد! ابوالحسن کچھ دیر سوچ کر بولا "میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ ورنہ شاید مجھے یہاں تک آنے کا حوصلہ بھی نہ ہوتا۔"

"اور اگر میں یہاں نہ آتی تو؟"

"تو میں کل پھر اس طرف آتا اور شاید چند قدم اور آگے بڑھ کر آپ کا انتظار کرتا اور پھر جب میں مایوس ہو جاتا تو رخصت سے ایک دن یا ایک ساعت قبل آپ کے گھر پہنچ جاتا اور وہاں شاید آپ کے عزیزوں کی موجودگی میں میری زبان پر وہ باتیں آجائیں جو آج صرف میں اپنے دل میں کہہ سکتا ہوں لیکن میرے

یہ ممکن نہ ہوتا کہ آپ کو خدا حافظ کسے بغیر رخصت ہو جائوں۔
ابوالحسن خاموش ہو گیا اور سعاد دیر تک اپنے دل کی دھڑکنیں سنتی رہی۔ پھر
اس کی آنکھوں کے سلسے آنسوؤں کے پردے حائل ہونے لگے اور وہ ڈوبتی
ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی :

”وہ ایک اتفاق تھا کہ اس دن میں نے آپ کو چنان سے اترتے دیکھ
لیا تھا اور یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ آج میں اس طرف آرہی تھی لیکن ایسے مواقع
بار بار نہیں آتے۔ ہو سکتا ہے کہ رخصت کے وقت ہمیں ایک دوسرے
سے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملے۔ اس لیے میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ جب
ہمارے درمیان سمندر کے گہرے پانی حائل ہو جائیں گے تو بھی میں آپ کے
لیے دعا کیا کروں گی۔ اور میری امید مرتے دم تک قائم رہے گی کہ کسی دن آپ
ضرور واپس آئیں گے اور میں پھر آپ کو کسی بلند چٹان سے اترتے ہوئے
دیکھوں گی۔ اس وقت میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے مجبور
تو نہیں جائیں گے؟ سمندر پار جا کر آپ یہ محسوس تو نہیں کریں گے کہ اندلس
میں آپ کا کوئی نہیں؟“

سعاد اپنے آنسو پونچھ کر سسکیاں لے رہی تھی اور ابوالحسن کا دل
بے چارگی اور بے بسی کے احساس سے جھٹا جا رہا تھا۔
”سعاد! اس نے کہا“ میں ضرور آؤں گا اور میرا دل گواہی دیتا ہے
کہ تمہیں زیادہ عرصہ میرا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ مجھ جیسے بے وقوف آدمی
سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ راتوں میں ہی جہاز سے کود پڑے اور پھر بھاگتا ہوا
یہاں پہنچ جائے۔“

سعاد نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام پکڑتے ہوئے

کہنا تمہارے لیے ہمارے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا لیکن میری وجہ سے
تمہیں اپنا ارادہ تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔ میں اُس دن کا انتظار کروں گی جب
مہاجرین کے تعلقے آزادی کے نعرے لگاتے ہوئے واپس آئیں گے۔

اب میں گھر واپس جا رہی ہوں۔“

وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی۔

ابوالحسن نے کہا ”آپ ملک کے پاس نہیں جائیں گی؟“

”اُن کے پاس پھر کسی دن جاؤں گی۔ اب میرا یہ خدشہ دور ہو چکا ہے
کہ آپ کسی اطلاع کے بغیر اچانک روانہ ہو جائیں گے اور میں اس کے لیے
آپ کی شکر گزار ہوں۔“

ابوالحسن نے کہا ”اب میں کسی جھجک کے بغیر آپ کے دروازے
پر دستک دے سکوں گا۔“

سعاد نے گھوڑے کی لگام موڑ کر ایرنگا دی اور ابوالحسن دیر تک اُس
کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ ابو عبد اللہ کی قیام گاہ کا رخ کر رہا تھا تو اسے
ایسا محسوس ہوا تھا کہ اس کے سینے سے ایک ناقابل برداشت بوجھ اتر چکا
ہے۔



قلعے میں داخل ہوتے ہی ابو عبد اللہ کی محافظہ فوج کے سالار سے اُس
کی ملاقات ہوئی۔ اُس نے کہا ”آپ کو اسلمہ کے بغیر باہر نہیں جانا چاہیے
تھا۔ سلطان آپ کے متعلق بہت فکر مند تھے۔ آپ اتنی دیر کہاں رہے؟“
”میں سیر کے لیے چلا گیا تھا۔“

سالار نے ایک سپاہی کو اشارے سے بلایا اور پھر ابوالحسن کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا "آپ اس کے ساتھ اصطل کے داروغہ کے پاس جائیں!
اسے سلطان کی طرف سے یہ حکم مل چکا ہے کہ آپ جس گھوڑے کو اپنی سواری
کے لیے پسند کریں وہ آپ کو پیش کر دیا جائے۔"
ابوالحسن نے کہا "میں ان کا شکریہ گزار ہوں، لیکن اس جگہ مجھے گھوڑے
کی کیا ضرورت ہے؟"

سالار نے جواب دیا "گھوڑا تو ایک سپاہی کی اولین ضرورت ہے اور
پھر سلطان کے مہمان ان کے تحائف رد نہیں کیا کرتے۔"

ابوالحسن سپاہی کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر بعد اصطل کا داروغہ
اس کو بہترین نسل کے گھوڑے دکھا رہا تھا۔ وہ مشکي رنگ کے ایک خوبصورت
گھوڑے کے قریب رگ گیا اور داروغہ کی طرف دیکھنے لگا۔
"آپ کو یہ گھوڑا پسند ہے؟"

ابوالحسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"اگر آپ اس وقت سواری کرنا پسند کریں تو اس پر زین ڈلوادی جائے؟"
"نہیں! ابھی نہیں!! ابوالحسن نے گھوڑے کی گردن پر تھپکی دیتے
ہوئے جواب دیا۔

"میں آپ کے حسن انتخاب کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ
جانور واقعی بہت اچھا ہے۔"

سالار کی بات سن کر ابوالحسن مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔



تیسرے روز دوپہر کے وقت ابوالحسن اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ

مصعب دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ ابوالحسن نے جلدی
سے اٹھ کر مصافحہ کیا اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔
مصعب نے کہا "میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں غرناطہ سے جو آیا ہوں
اور ابوالقاسم کے متعلق میری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ وہ اپنے گھر
نہیں پہنچے۔ مجھے یہ شبہ نہیں تھا کہ آپ کی اطلاع غلط تھی لیکن اس کے باوجود
میں اپنے دل کو یہ فریب دے رہا تھا کہ شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو اور
جس آدمی کو آپ نے قتل ہوتے دیکھا تھا وہ کوئی اور ہو۔ سب سے بڑا ثبوت
ان کا گھوڑا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ شاید وہ راستے میں کسی جگہ آرام کے لیے
رک گئے ہوں اور ان کا گھوڑا کسی چور کے ہاتھ آ گیا ہو اور ابوالقاسم کے
ساتھیوں نے چور کو پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہو لیکن اب اس قسم کی سوچیں
اتیدیں بھی ختم ہو چکی ہیں۔"

ابوالحسن نے کہا "غرناطہ میں آپ نے ان کے ساتھ جانے والوں میں
کسی سے ملاقات نہیں کی؟"

"نہیں! ان کے ذاتی نوکر بھی گھر نہیں پہنچے۔ میں نے غرناطہ کے گورنر
یا کسی اور اہلکار سے جان بوجھ کر ملاقات نہیں کی۔ مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں نے
ابوالقاسم کے متعلق کوئی خدشہ ظاہر کیا تو وہ شاید مجھے بھی غرناطہ سے زندہ واپس
نہ آنے دیں۔ میں نے ایک رشتے دار کے گھر چھپ کر ان کا پناہ لگایا تھا اور چند
خاص آدمیوں کے سوا کسی کو میری آمد کا علم نہ تھا۔ گزشتہ رات میں نے گھر پہنچتے
ہی آپ کے بارے میں پوچھا تھا اور سعاد نے بتلایا تھا کہ آپ ابھی یہیں ہیں۔ اب میں
سلطان کو سلام کرنے کے بعد سیدھا آپ کے پاس آیا ہوں اور ایک بار پھر
یہ تاکید کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "میری طرف سے کوئی بے احتیاطی نہیں ہوگی۔"

مصعب نے کچھ سوچ کر کہا "سعاد بتا رہی تھی کہ آپ سلطان کے ساتھ جا رہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ سلطان کی ہجرت کے بعد ہمیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔" وہ دن میں آپ کو اپنے پاس ٹھہرنے کی ضرورت ہو سکتی ہے مگر موجودہ حالات میں میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ چند ماہ یا چند سال بعد اگر حالات کی تبدیلی آپ کو واپس آنے پر آمادہ کر دے تو ہم آپ کو یہ ٹھکانے نہیں ہونے دیں گے کہ آپ یہاں ایک اجنبی ہیں۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "میں آپ کا فکر گزار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں کسی دن ضرور آؤں گا۔"

"اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو میں اس وقت بھی آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ آپ یہاں بیکار نہیں رہیں گے۔ ابوالقاسم کی جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے مجھے ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے۔ آپ کو فوراً کوئی جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ سلطان ابو عبد اللہ کچھ دن اور رہیں گے اور آپ کو سوچنے کے لیے کافی وقت مل جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس عرصے میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ان کے ساتھ ہمیں بھی ہجرت کا فیصلہ کرنا پڑے۔۔۔۔"

عام حالات میں اپنے خاندان کے سابقہ کردار کے پیش نظر مجھے سلطان ابو عبد اللہ سے کسی ہمدردی کی توقع نہیں ہونی چاہیے تھی۔ ابوالقاسم کی موت سے ان کے دل پر گہرا اثر ہوا ہے۔ آج وہ منجھ سے بار بار یہ کہتے تھے "تم زیادہ عرصہ الفجارہ میں عین سے نہیں رہ سکو گے۔ اس لیے اگر میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ تو میں مراکش میں تھاری حفاظت کی ذمہ داری دیتا ہوں!"

کہہ نے بھی مجھے تسلی دی تھی وہ بار بار یہ کہتی تھیں کہ اب سعاد جیسی لڑکیوں کو انفجارہ میں نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن میری حالت یہ ہے کہ مجھے اندس چھوڑنے کی بجائے مر جانا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔"

ابوالحسن نے کچھ سوچ کر کہا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ان غیر یقینی حالات میں سعاد اور دوسری خواتین کو ملکہ کے ساتھ روانہ کر دیں؟"

"میری بیوی کسی حالت میں بھی مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی اور سعاد بھی ان لوگوں میں سے نہیں جو مصیبت کے وقت اپنے عزیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بالآخر مصعب نے اٹھ کر مصانچے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "میرا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔ آپ جب چاہیں وہاں آ سکتے ہیں!"

اور جب وہ چلا گیا تو ابوالحسن بھی اپنے دل سے بار بار پوچھ رہا تھا:

"کیا میں سعاد کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں؟"

اور آنے والے دور میں تنہائی اور بے چارگی کے تصور سے اس کی روح پسیمی جا رہی تھی۔

بیس دن بعد سلطان کی قیام گاہ سے پہلا قافلہ جو اس کے نجی ملازمین اور سپاہیوں پر مشتمل تھا، ساحل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ گھر کا سارا سامان اٹھانے کے لیے علاقے کے لوگوں نے اپنے خچر مہیا کر دیے تھے اور حفاظت کے لیے چچاس مسلح رضا کار بھی بھیج دیے تھے۔ سلطان اور ملکہ کو شاہی خاندان کے

باقی افراد اور چند محافظ دستوں کے ساتھ پہلے قافلے کی روانگی سے دو دن بعد کوچ کرنا تھا۔

غزناطہ کے گورنر نے حکومت کی طرف سے سلطان کی سرود کہ جائیداد کا انتظام سنبھالنے کے لیے ایک اہلکار جو بظاہر مسلمان تھا، سلطان کی روانگی سے ایک دن قبل بھیج دیا تھا اور اس کے ساتھ آنے والے سپاہیوں نے قلعے سے کچھ دُور خیمے نصب کر دیے تھے۔ اس اہلکار کا نام حارث تھا۔ اس نے آتے ہی سلطان کو غزناطہ کے گورنر کی طرف سے یہ پیغام دیا تھا: "آپ کے جو ملازم ہجرت نہیں کرنا چاہتے وہ حکومت کے ملازم تصور کیے جائیں گے اور علاقے کے کاشت کاروں کی حفاظت بھی حکومت کے ذمے ہوگی۔ چنانچہ سلطان کے ذاتی عملے کے میں آدمی اس پیش کش پر بہت خوش تھے اور فیصلہ کر چکے تھے کہ سلطان کو ساحل تک پہنچانے کے بعد وہ واپس آجائیں گے۔ ابو الحسن روانگی سے ایک روز قبل مصعب کے ہاں جا کر سعادت سے اوداعی ملاقات کر رہا تھا۔

وہ اس کی خالہ اور خالو کی موجودگی میں کھل کر کوئی بات نہ کر سکا اور اپنے اپنے جذبات کے انہار کے لیے کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ ایک دوسرے کے دل کی آوازیں سن سکتے تھے۔

مُخصّص کے وقت سعادت کی خالہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "بیٹا! اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ میں اس بات میں بھی کوئی ہمتی دیکھتی ہوں کہ سعادت کے خالو تمہارا ارادہ تبدیل نہیں کر سکے۔ پھر بھی اس گھر میں ہمیشہ ہمیشہ تمہارا انتظار ہوگا۔"

سعادت نے انتہائی ضبط سے کام لیا تھا، لیکن جب ابو الحسن خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا تو اُس کا سرخ و سپید چہرہ اچانک زرد ہو گیا اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔



ابو الحسن واپس آکر باقی سارا دن سخت اُداس رہا۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابو عامر، ایک پست قامت نوکر نے دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد اندر جھانکتے ہوئے کہا "جناب! آپ کا کھانا لے آؤں؟"

"ہاں! لے آؤ!"

ابو عامر واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد اس نے کھانے کا طشت لا کر ابو الحسن کے سامنے ایک چھوٹی سی میز پر رکھ دیا۔ پھر ایک طرف ہٹ کر بولا: "جناب! مجھے افسوس ہے کہ آپ جا رہے ہیں!"

ابو عامر کو گفتگو کے لیے ہمیشہ کسی بہانے کی تلاش رہتی تھی، لیکن یہ ایک ایسا موضوع تھا جس پر ابو الحسن کوئی بات کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ ابو عامر نے قدرے توقف کے بعد کہا: "جناب! میں نے مراکش نہیں دیکھا مگر سنا ہے کہ وہاں بہت گرمی پڑتی ہے۔"

ابو الحسن نے اس کی طرف دیکھے بغیر بے اعتنائی سے جواب دیا: "انشاء اللہ تم بہت جلد اپنے وطن کی آب و ہوا کے عادی ہو جاؤ گے!"

"جناب! میں آپ کو بندرگاہ تک پہنچانے کے بعد واپس آجاؤں گا۔"

سلطان چند نوکرزں کو یہاں رہنے کی اجازت دے چکے ہیں۔ ہم اس قلعے کے نئے محافظ سے مل چکے ہیں اور انھوں نے یہ کہا ہے کہ قلعے کے جو لازم یہاں رہنا چاہتے ہوں ان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ مجھ سے انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ میں تمھارا کام دیکھنے کے بعد تمھارے میں اضافہ کر دوں گا۔ عارث ایک اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے، لیکن آپ مجھے بہت یاد آیا کریں گے۔ کاش! آپ چند دن اور یہاں ٹھہر سکتے۔

ابوالحسن نے کھانے کا نوالہ چاہتے ہوئے پہلی بار اس کی طرف دیکھا اور قدیمے توقف کے بعد کہا، ابوعمار! میں تمھارا شکر گزار ہوں، مگر میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ جب سلطان ابو عبداللہ یہاں سے رخصت ہو جائیں گے تو اس ہمان خانے کا دروازہ میرے لیے بند ہو جائے گا۔

ابوعمار نے کہا، جناب! جس دن آپ زخمی ہو کر یہاں پہنچے تھے تو میں نے محسوس کیا تھا کہ شاید کوئی دشمن آپ کا پیچھا کر رہا ہے۔ ابو الحسن نے جواب دیا، میرا کوئی دشمن نہیں۔ میں راستے میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا تھا۔

ابوعمار کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک پہرے دار اندر داخل ہوا اور اس نے ابو الحسن سے مخاطب ہو کر کہا، جناب! مصعب کا ایک نوکر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو آئیے یہاں بھیج دیا جائے!

ابوالحسن کے دل کی دھڑکن اچانک تیز ہو گئی۔ اس نے کہا، اسے فوراً بھیج دو!

پہرے دار چلا گیا اور ابوعمار نے جھکتے ہوئے کہا، جناب! میرا خیال

تھا کہ آج آپ شاید دو مرتبہ مصعب سے مل چکے ہیں۔ صبح جب وہ سلطان سے ملاقات کے بعد سیدھے آپ کے پاس آئے تھے اور دوپہر کے وقت آپ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے تھے تو مجھے یہی خیال آیا تھا کہ آپ ان کے ہاں جا رہے ہیں۔

ابوالحسن نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا، اس میں سیرت کی کیا بات ہے؟

ابوعمار کو اس کے لب و لہجے سے کہیں زیادہ اس کی تیز نگاہوں نے مرعوب کر دیا اور اس کے چہرے سے اعتماد، شکار، ہٹا چانک، رخصت ہو گئی۔ جناب! میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ.....

ابوالحسن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا، دیکھو، ابوعمار! تم ایک اچھے آدمی ہو۔ لیکن اس وقت مجھے بے معنی باتوں سے کوفت محسوس ہو رہی ہے۔ اگر تم بندرگاہ تک قافلے کے ساتھ جا رہے ہو تو تمہیں جی بھر کر باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اب تم برتن اٹھا لو!

لیکن جناب! آپ نے کچھ نہیں کھایا۔ مجھے جھجک نہیں تھی اور اب میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں نے مصعب کے گھر میں کیا کھایا تھا۔

ابوعمار طشت اٹھا کر باہر نکلنا تو اسے چند قدم دور مصعب کا حبشی نوکر پہرے دار کے ساتھ آنا دکھائی دیا۔ وہ ان کے راستے سے ایک طرف ہٹ کر کچھ دیر کھڑا رہا اور جب پہرے دار نوکر کو ابو الحسن کے کمرے میں پہنچا، آپ کھڑا تھا تو وہ اپنے آپ کو کوسا ہوا اور جی خانے کی طرف چل دیا۔

مصعب کا نوکر وہی تھا جسے ابو الحسن نے پہلے دن سدا کے ساتھ

دیکھا تھا۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ادب سے سلام کیا اور پھر جیب سے ایک خط نکال کر ابو الحسن کو پیش کرتے ہوئے کہا: "جناب! آقا مصعب کی بیوی اور سعاد کی خالہ نے یہ خط دیا تھا۔ انھوں نے تاکید کی تھی کہ میرے اور آپ کے سوا کسی تیسرے آدمی کو اس خط کا علم نہیں ہونا چاہیے۔" ابو الحسن نے جلدی سے خط کھولا اور پھر چند لمحات کے لیے اسے اپنے گرد و پیش کا کوئی ہوش نہ تھا۔ سعاد کی خالہ کے خط کا مضمون یہ تھا:

وہ بیٹا ابو الحسن! میں اس خط میں اس معصوم لڑکی کے دلی احساسات کی ترجمانی کر رہی ہوں جو رخصت کے وقت تمہیں کوئی پیغام نہ دے سکی۔ سعاد مجھے اپنی بیٹی سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس وقت جب میں اُس کے کمرے سے دبی دبی سرسکیاں سُن رہی ہوں تو میرا دل پسا جا رہا ہے۔

میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تمہاری آمد سے پہلے اسے زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ماضی کے حادثات نے اسے اپنے حال اور مستقبل دونوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ اکثر خاموش رہا کرتی تھی۔ غرناطہ میں اس کی دلچسپی کا واحد ذریعہ ہمارا آبائی قبرستان تھا۔

یہاں آنے کے بعد ہمارا خیال تھا کہ ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات بھی بدل جائیں گے اور ایک دن جب اُس نے سواری کا شوق ظاہر کیا تو ہم بہت خوش ہوئے تھے، مگر پہلے دن وہ سیر سے واپس آئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ کسی نے اسے یہاں سے کچھ دُور ایک قبرستان کا بتا دیا تھا جہاں

طارق کے زمانے کے چند شہدار دفن تھے اور سعاد اُن کی فاسخہ خرابی کے لیے گئی تھی۔ ملکہ عائشہ بھی اسی قبرستان میں دفن ہیں۔ سعاد کو اپنے والدین پر ان کی شفقتیں یاد تھیں، اس لیے اسے بار بار وہاں جانے کے لیے ایک معقول بہانہ مل گیا تھا۔

پھر ایک دن وہ بہت دیر سے گھر آئی اور مجھے یہ سُن کر حیرت ہوئی کہ وہ ایک زحمتی کو ابو عبد اللہ کے پاس لے گئی تھی اور رات کے وقت جب وہ پوری تفصیل کے ساتھ تمہیں موت کے مُنہ سے نکلتا دیکھنے اور تمہارے زخموں پر پٹیاں باندھنے کے واقعات سنا رہی تھی تو مجھے پہلی بار اپنے دل میں یہ تسکین محسوس ہوئی تھی کہ ایک اجنبی اُس کے لیے ایک نئی زندگی کا پیغام لایا ہے۔

سعاد کو بار بار تمہاری حُرّت و مردانگی کے واقعات سننے میں خاصی راحت محسوس ہو رہی تھی اور تمہیں دیکھنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے دل میں تمہارا مکمل نقشہ پہلے سے موجود تھا اور سعاد تم سے بلاوجہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔ تم اُس کے ماضی کی یادوں کے بہترین سانچوں میں ڈھل کر اُس کی نگاہوں کے سامنے آگئے تھے اور اُس کی دنیا بدل چکی تھی۔ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ تم سے کس قدر مانوس ہو چکی ہے اور یقیناً تم بھی اس کے دل کے حال سے بخبر نہیں ہو سکتے۔

اب تم جا رہے ہو۔۔۔۔۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ تمہاری غیر
حاضری میں میں کس حد تک سعاد کو تسلی دے سکوں گی، لیکن تمہیں
یہ پیام دیتے ہوئے مجھے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ جب تم
واپس آؤ گے تو تمہارے اور سعاد کے درمیان کوئی ایسی چٹان
حائل نہیں ہوگی جسے تم عبور نہ کر سکو

میں فخر کے ساتھ تمہارا ہاتھ پکڑ کر اپنے شوہر سے یہ کہہ سکوں
گی کہ میں سعاد کا مستقبل اس بہادر اور شریف نوجوان کو سونپنا چاہتی
ہوں اور تم اسے میرا ہم خیال پاؤ گے۔

تمہیں فوری طور پر جواب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف
یہ اطمینان چاہتی ہوں کہ تمہیں میرا خط مل گیا ہے!

ابوالحسن خط ختم کرنے کے بعد کچھ دیر خاموشی سے غلام کی طرف دیکھتا
رہا۔ بالآخر اس نے کہا "تم سعاد کی خالہ کو میری طرف سے یہ پیام دو! اگر میں نے
اُن کا خط پڑھ لیا ہے اور میں اُن کا شکر گزار ہوں۔"

ابوالحسن رات 'سونے سے پہلے یہ خط کئی بار پڑھ چکا تھا اور صبح جب
وہ سفر کی تیاری کر رہا تھا تو اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سعاد اس کا دامن پکڑ کر
پوچھ رہی ہے "ابوالحسن! کیا تم جا رہے ہو؟ کیا تم واقعی جا رہے ہو؟"

طلوع آفتاب کے وقت قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور تلے سے باہر قرطبہ جوار
کی بستیوں کے سینکڑوں آدمی غرناطہ کے تاجدار کو بے بسی کے آنسوؤں کا ندرا پیش
کر رہے تھے۔ سلطان کی روانگی کی اطلاع سامعین علاقے تک پہنچ چکی تھی اور راستے
میں جگہ جگہ لوگوں کے گروہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ قبائل کے سرداروں نے
ہر منزل پر قافلے کے قیام و طعام کا انتظام کر رکھا تھا اور راستے کی بستیوں کے

بہت سے لوگ سلطان کو رخصت کرنے کے ارادے سے قافلے کے ساتھ شامل
ہو رہے تھے۔

ابوالحسن متبع سواروں کے آخری دستے کے ساتھ سفر کر رہا تھا لیکن آہ
لوگوں کے جھرم 'پہاڑوں کے راستے کے نشیب و فراز اور پہنچ و غم سے کوئی دلچسپی
تھی۔۔۔۔۔ اُس کے تصورات کی دنیا میں سعاد کی مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں
اور وہ قدم قدم پر اُس سے یہ کہہ رہی تھی:

"ابوالحسن! میں تمہاری ہوں۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

کبھی کبھی اُسے اپنے خیالات پر نہایت محسوس ہونے لگتی اور وہ کسی ساتھی
سے کوئی بات شروع کر دیتا، لیکن پھر تھوڑی دیر بعد وہ خواب و خیال کی اس دنیا میں
کھو جاتا جہاں حال اور مستقبل کے سارے راستے سعاد کے دروازے پر ختم ہو جاتے
تھے۔



تیسرے روز سہ پہر کے وقت قافلہ سے چند کوس دور مشرق کی طرف ایک
چھوٹی سی بندرگاہ کے سامنے کھلے میدان میں ہزاروں انسان ابو عبد اللہ کا استقبال
کر رہے تھے۔ سمندر میں مراکشی جہاز کھڑے تھے اور مقامی مسلمانوں کے
علاوہ آس پاس کی ساحلی چوکیوں سے نصرانی محافظوں کا ایک دستہ مسلمانوں
کے جھوم سے کچھ فاصلے پر ایک طرف کھڑا تھا۔

سامعین پر مقامی قبائل کے سرداروں نے قافلے کے لیے خیمے نصب
کر رکھے تھے۔ سب سے بڑا خیمہ جو سلطان اور ملکہ کے لیے نصب کیا گیا تھا،
ان کے درمیان دکھائی دیتا تھا۔

مراکشی جہازوں کے کپتان اور دوسرے افسر جھوم سے چند قدم آگے

قبائلی سرداروں کی صف میں کھڑے تھے۔

نصرائی سپاہیوں کے ایک دستے نے سلطان کو سلامی دی اور اس کے بعد وہ قبائلی سرداروں کی صف کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ سرداروں نے باری باری آگے بڑھ کر ابو عبد اللہ سے مصافحہ کیا اور شاہی خدام جو پہلے قافلے کے ساتھ بندرگاہ پر پہنچ چکے تھے ملکہ اور دوسری خواتین کے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر خیموں کی طرف چل دیے۔

مقامی سرداروں نے سلطان کی ضیافت کا بھی انتظام کر رکھا تھا اور وہ قافلے کو ایک رات ٹھہرانے پر تیار تھے۔

سلطان نے معذرت کرتے ہوئے کہا: "میں تمہارے دل سے تمہارا لشکر گرا ہوں، مگر یہاں رگنا میرے لیے بہت تکلیف دہ ہوگا۔"

علاوے کے ایک سرکردہ رئیس نے کہا: "عالیجاہ! ہم آپ کو مجبور نہیں کر سکتے، لیکن جہاز پر آپ کے گھوڑے لاؤنے میں کافی وقت لگ جائے گا۔ اس لیے شام کے کھانے کے بارے میں ہماری دعوت رد نہیں کرنی چاہیے۔"

"بہت اچھا!" ابو عبد اللہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا: "ہم شام کا کھانا کھاتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔"

کچھ دیر بعد خواتین اور بچے خیموں کے اندر جا چکے تھے اور ابو عبد اللہ ہزاروں آدمیوں کے ساتھ پاس ہی ایک کھلے میدان میں عصر کی نماز ادا کر رہا تھا۔ نماز کے بعد وہ ایک کشادہ خیمے میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا:

"مجھے بار بار یہ خیال آتا ہے کہ اگر ہم مر گئے ہوتے تو شاید ہمارے جنازے پر بھی اتنا ہجوم نہ ہوتا۔ اگر وہ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتے یا سرے سرے

خاک پھینکتے تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔"

ملکہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا: "عالیجاہ! ہم مر چکے ہیں۔۔۔۔۔ ہم اسی دن مر گئے تھے جب الحمرا پر دشمن اپنا پرچم نصب کر رہا تھا اور لوگ مردوں سے انتقام نہیں لیا کرتے۔"

"نہیں! نہیں!! ابو عبد اللہ سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔" دراصل میں اسی روز مر گیا تھا جب میں نے اپنے باپ سے غداری کی تھی۔ غرناطہ کا تخت میری قبر تھی۔ میری رعایا میرے گناہ معاف کر سکتی ہے، لیکن میں اپنے ضمیر کے انتقام سے نہیں بچ سکتا۔۔۔۔۔ میں نے بادشاہت کی قبا نہیں پہنی تھی بلکہ اپنی قوم کا کفن فروج کر اپنے اوپر ڈال لیا تھا۔"

باہر سے ابوالحسن کی آواز سنائی دی: "عالیجاہ! سکن؟ ابوالحسن؟" سلطان نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے

کہا

"عالیجاہ! میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں؟"

"تم اندر آ سکتے ہو۔"

ابوالحسن پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوا اور چند ثانیے تذبذب کی حالت میں سلطان اور ملکہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"ابوالحسن! کیا بات ہے۔ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ اگر میں تمہاری کوئی خواہش پوری کر سکتا ہوں تو تم بلا جھجک بیان کر سکتے ہو۔۔۔۔۔ اور اگر تم میری دلجوئی کے لیے آئے ہو تو یہ وقت ایسی گفتگو کے لیے موزوں نہیں۔"

انشار اللہ ہم ایک ہی جہاز پر سفر کریں گے اور میں اطمینان سے تمہاری باتیں سن سکوں گا۔"

”عالیجاہ!۔ اُس نے بڑی مشکل سے کہا ”مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکوں گا۔“

”تم غرناطہ واپس جانا چاہتے ہو؟“

”نہیں عالیجاہ! ابو الحسن نے اپنی جیب سے خط نکال کر ابو عبد اللہ کو پیش کرتے ہوئے جواب دیا ”میں اس گستاخی پر شرمسار ہوں اور آپ سے ہتھ کڑتا ہوں کہ میرے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے یہ خط پڑھ لیجیے!“

”اس خط میں کوئی ایسی بات ہے جو تم زبانی نہیں کہہ سکتے؟“

”عالیجاہ! یہ مصعب کی بیوی کا خط ہے اور مجھے رونا لگی سے ایک بات قبل ملنا تھا۔“

ابو عبد اللہ نے خط پڑھنے کے بعد ملکہ کی طرف بڑھادیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا ”اگر یہ خط تم مجھے اسی وقت دکھا دیتے تو تمہیں یہاں تک سفر کرنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ تم سعاد جیسی لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے مصعب کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ابوالقاسم کی موت کے بعد تم الفجار میں زیادہ عرصہ چین سے نہیں رہ سکو گے اس لیے کم از کم اپنی بیوی اور سعاد کو ہمارے ساتھ بھیج دو! لیکن ان کی قوت فیصلہ جواب دے چکی تھی۔ اب شاید وہ تمہاری وجہ سے مستقبل کے خطرات سے بچ جائے۔ انشاء اللہ! ہم مراکش پہنچ کر تمہارا انتظار کریں گے۔“

ابو الحسن نے کہا ”عالیجاہ! اگر انھوں نے میری بات مان لی تو ہم جلد از جلد وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے ان خطرات کا پورا احساس ہے جو مجھے مصعب کی رفاقت میں پیش آسکتے ہیں۔“

”تمہارے لیے رات کے وقت تنہا سفر کرنے کی بجائے ان رضا کاروں کے ہمراہ جانا زیادہ مناسب ہوگا“ جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ میں اپنے بیٹوں سے کہہ دوں گا کہ تم نے جو خیمہ ہمارے لیے نصب کیا ہے اس میں ہمارا ایک ساتھی آرام کرے گا۔“

ملکہ نے خط پڑھ کر ابو الحسن کو واپس دے دیا اور پھر اپنے ہاتھ سے ہیرے کی ایک انگوٹھی اُتار کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی ”ابو الحسن! تم سعاد کے لیے میری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو!“

”میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ابو الحسن نے یہ کہہ کر ہیرے کی انگوٹھی اس سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ چند ثانیے احسانندی کی نگاہوں سے سلطان کی طرف دیکھا رہا اور پھر اچانک ”خدا حافظ!“ کہہ کر اُٹھے پاؤں باہر نکل آیا۔

کچھ دیر بعد ابو الحسن سمندر کے کنارے کھڑا مجاہدین اسلام کے ان سفینوں کا تصور کر رہا تھا جو ماضی کے دور میں اندلس کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے تھے۔ آٹھ صدیوں کی تاریخ اسے ایک خواب معلوم ہوتی تھی اور وہ اپنے دل سے پوچھ رہا تھا: کیا یہ وہی اندلس ہے جسے طارقؒ نے فتح کیا تھا۔ کیا یہ ان مجاہدوں کا وطن ہے جو اسلام کا پرچم فرانس کے میدانوں تک لے گئے تھے؟ کیا یہ وہی سرزمین ہے جس پر کبھی امویوں، کبھی مراطیہوں اور کبھی موحیدین کے لشکر خیمہ زن ہوئے تھے؟ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔

اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ابو الحسن نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ ابو عامر نے جو ایک لمحہ قبل مسکرا رہا

تھا، مذمت سے سر جھکاتے ہوئے کہا " معاف کیجیے! مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اس قدر پریشان ہیں؟ "

ابوالحسن نے حقارت سے منہ پھیر کر اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور قدرے توقف کے بعد بولا " ابو عامر! میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم بار بار مجھے پریشان کیوں کرتے ہو؟ "

" جناب! اس گستاخی کے لیے میری معذرت قبول فرمائیے! میرا خیال تھا شاید اس جرم میں مجھے آپ کو خدا حافظ کہنے کا موقع نہ ملے۔ میں علی الصبح اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس جا رہا ہوں؟ "

" مجھے معلوم ہے کہ تم واپس جا رہے ہو۔ "

" جناب! میں اس قابل نہیں کہ آپ کی دلجوئی کر سکوں۔ لیکن اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس قدر مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میں سارا راستہ یہ محسوس کرتا رہا ہوں کہ آپ بہت غم زدہ ہیں۔ آپ کا چہرہ دیکھ کر مجھے کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی مگر میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ آپ کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ اگر میں آپ کا غلام ہوتا تو بھی آخری ملاقات کے موقع پر آپ سے یہ کہتے ہوئے جھجک محسوس نہ کرتا کہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ "

ابوالحسن اس کی طرف چند لمحے دیکھتا رہا اور پھر قدرے نرم ہو کر بولا: " ممکن ہے یہ ہماری آخری ملاقات نہ ہو؟ "

" مجھے یقین تھا کہ آپ کسی دن واپس آجائیں گے۔ مراکش میں آپ کا دل نہیں لگے گا۔ "

ابوالحسن اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے اندس چھوڑنے کا ارادہ

بل دیا ہے، لیکن وہ خاموش رہا۔ اسے ابو عامر کو اپنا راز دار بنانا پسند نہ تھا۔ ابو عامر نے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتے ہوئے زیادہ جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا — " جناب! آپ بُرا نہ مانیں! کبھی ایک تنکا بھی کام آ سکتا ہے! مجھے آپ کے دل کا حال اس دن سے معلوم تھا جب آپ معزز لڑکی کے ہاتھ قلعے میں داخل ہوئے تھے — پھر آپ سے مہمان خانے میں ملاقات کرنا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ "

ابوالحسن نے تملک کر کہا " ابو عامر! اگر تم نے اس لڑکی کے متعلق کچھ اور کہنے کی کوشش کی، تو میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ "

ابو عامر خفت زدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور چند ثانیے بے بسی کی حالت میں ابوالحسن کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا: " جناب! میں ایک معزز گھرانے کی نیک اور پاکباز لڑکی کے متعلق کوئی نازیبا بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میرے متعلق آپ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں اسے کسی نہ کسی ذریعے آپ کی طرف سے یہ پیغام دینے کی ذمہ داری لے سکتا ہوں کہ آپ واپس آنے کی نیت سے جا رہے ہیں۔ اسے یہ بتانا ضروری ہے کہ جب آپ سمندر کے کنارے کھڑے تھے تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ "

" ابو عامر! ابوالحسن نے قدرے متاثر ہو کر کہا " میرے آنسو اندس کے لیے تھے۔ اور اس لڑکی کو پیغام دینے کے لیے تمہاری خدمات کی ضرورت نہیں، ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟ "

ابو عامر خاموش رہا اور ابوالحسن نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھادیا۔

”جناب! خدا حافظ!!“ اس نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ”میں ہمیشہ آپ کے لیے دعا کیا کروں گا۔“
اس کے بعد وہ مجرم میں غائب ہو چکا تھا۔

خوب آفتاب سے کوئی گھنٹے بھر بعد اندلس کے آخری تاجدار کو الوداع کہنے والے پُریم آنکھوں سے مراکش کے جہازوں کی آخری جھلک دیکھ رہے تھے۔

ابو عبد اللہ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے مقامی سرداروں سے اپنے ایک معزز ساتھی کے بیٹے کی حیثیت سے ابوالحسن کا تعارف کروا چکا تھا اور جہازوں کی روانگی کے بعد آٹھ سردار خیمے تک اس کے ساتھ آئے اور کچھ دیر اس سے باتیں کرتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک نے ابوالحسن کو چند دن اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی لیکن اس نے سب کو یہی جواب دیا ”میں ایک ضروری کام سے واپس جا رہا ہوں اور میرے لیے راستے میں تھوڑی دیر کے لیے رکتا بھی بہت مشکل ہے۔ ہاں! اگر کبھی موقع ملا تو میں آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔“

خصیت ہونے سے پہلے ایک رئیس نے اپنے تین نوکروں کو اس کے گھوڑے کی رکھوائی اور چار مسلح رضا کاروں کو خیمے کی حفاظت کا حکم دیا۔ اگلی صبح ابوالحسن سفر کے لیے تیار ہو کر خیمے سے باہر نکلا تو ایک نوکراس کے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑا تھا اور ابوعامر اپنے گھوڑے کی زین پر بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ابوالحسن کو دیکھ کر سلام کیا اور بولا ”جناب!

میرے ساتھی ہمارے ہیں، مگر میں آپ کا گھوڑا دیکھ کر رگ گیا ہوں۔ آپ واپس جا رہے ہیں؟“

”ہاں!“ ابوالحسن نے بددلی سے جواب دیا۔
”میں بہت خوش ہوں۔ میرے ساتھی زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے ہم بہت جلد ان سے باطنیں گے۔“

ایک نوکر نے کہا ”جناب! آپ کا گھوڑا سیر ہو چکا ہے اور ہم نے اس کا توڑا بھی اناج سے بھر دیا ہے۔ ہمارے آقا یہ حکم دے گئے تھے کہ اگلی منزل پر آپ کو گھوڑے کی خوراک کے متعلق پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔“
”میں تمہارے آقا کا شکریہ گزار ہوں۔“ ابوالحسن نے یہ کہہ کر باری باری نوکروں اور رضا کاروں سے مصافحہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ابوعامر نے بھی اس کے پیچھے اپنے گھوڑے کو اڑا لگا دی۔

قریباً دو گھنٹے وہ خاموشی سے سفر کرتے رہے۔ پھر ایک جگہ چڑھائی پر جب گھوڑوں کی رفتار آدھا سست ہوئی تو ابوعامر نے اپنا گھوڑا ابوالحسن کے ساتھ ملائے ہوئے کہا ”میں بہت خوش ہوں کہ آپ واپس چل رہے ہیں۔ مصعب بھی آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ میرا خیال ہے اس رات ان کا غلام یہی پیغام لیا ہو گا کہ آپ مراکش رجائیں۔ اتنی بڑی جائیداد کا انتظام سنبھالنے کے لیے مجھے ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے۔“

ابوالحسن نے جواب دیا ”ابوعامر! یہ شاید تمہاری دعاؤں کا اثر ہے کہ میں واپس چل رہا ہوں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ میں مصعب کی ملازمت اختیار کر لوں۔“
”اگر آپ کو کسی اور ملازمت کی ضرورت پیش آئے تو میں اپنے آقا سے بات کر سکتا ہوں اور وہ آپ کو کوئی ایسی ملازمت دے سکتا ہے جو آپ کی شان

کے شایاں ہو۔

”نہیں! فی الحال میں نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ میں واپس جا کر کیا کروں گا۔ بہر حال میں تمہارا شکریہ گزار ہوں۔“

”سلطان آپ کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہ اس بات سے بخفا تو نہیں ہوئے کہ آپ ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔“

”نہیں!“ ابو الحسن نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ابو عامر کے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں کے قافلے سے جاملے اور اس کے بعد کئی میل سفر کے دوران ابو عامر کو باتیں کہنے کا موقع نہ ملا۔ تیسرے پہر قافلہ ایک بستی میں رُک گیا، مگر ابو الحسن سونے سے پہلے ایک اور منزل طے کرنا چاہتا تھا، اس لیے ابو عامر کو بھی وہاں منزل کرنے کا ارادہ تبدیل کرنا پڑا۔

رات انھوں نے ایک بستی کے رئیس کے ہاں قیام کیا اور صبح ناشتا کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔ آگے چڑھائی فدا سخت تھی، تھکاوٹ کے باعث ان کے گھوڑوں کی رفتار بھی تدریجاً سست ہو رہی تھی۔ دوپہر کے وقت وہ تھوڑی دیر آرام کرنے کی نیت سے ایک بستی کی سرائے میں رُک گئے۔

ابو الحسن نے کھانا کھانے کے بعد ظہر کی نماز کے لیے مسجد کا رخ کیا، لیکن ابو عامر آخری نوالہ حلق سے اتارتے ہی چٹائی پر دراز ہو گیا اور جب ابو الحسن نماز سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اس کے ساتھی کے خراٹے دُور دُور تک سُناؤ دے رہے تھے۔

سرائے کے مالک نے کہا: ”جناب! آپ کا نوکر بہت تھکا ہوا

ہے۔ آپ بھی کچھ دیر آرام کر لیں، میں نے کمرے میں آپ کے لیے بستر لگوادیا ہے۔ آپ کے گھوڑوں کے آگے چارہ بھی ڈلوادیا ہے۔ دو تین گھنٹوں تک وہ تازہ دم ہو جائیں گے۔ اگر آپ رات یہاں گزار سکتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔“

”نہیں! ابو الحسن نے جواب دیا: ”میں تھوڑی دیر سنانے کے بعد روانہ ہو جاؤں گا۔“

وہ کمرے کے اندر جا کر لیٹ گیا اور چند منٹ اونگھنے کے بعد گہری نیند سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو صبح کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ اس نے جلدی سے باہر نکل کر سرائے کے مالک کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا اور ابو عامر کو خبر ابھی تک خراٹے لے رہا تھا جھنجھوڑ کر جگایا اور نماز کے لیے مسجد کی طرف چل دیا۔ جب وہ واپس آیا تو صحن میں ایک نوکر اور ابو عامر گھوڑوں کی لگامیں تھامے اُس کا انتظار کر رہے تھے اور سرائے کا مالک ان کے قریب کھڑا تھا۔ ابو الحسن نے سرائے کے مالک کا شکریہ ادا کیا اور اپنی بیب سے چاندی کے دو سکے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

سرائے کے مالک نے کہا: ”جناب! یہ بہت زیادہ ہیں۔ اتنے پیسوں کے بدلے آپ کل تک یہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ اب شام ہونے والی ہے اور پہاڑی علاقے میں رات کا سفر تکلیف دہ ہو گا۔“

ابو عامر نے کہا: ”ہاں جناب! میرا بھی یہی مشورہ ہے کہ آپ رات آرام کریں۔ ہمارے گھوڑوں کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔“

ابو الحسن نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے کہا: ”میں کافی آرام کر چکا ہوں۔ میرا گھوڑا بھی تازہ دم ہو چکا ہے تم اگر چاہو تو یہاں قیام کر سکتے ہو۔“

”میں آپ کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں، چلیے!“ ابو عامر نے جلدی سے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

ابو الحسن نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی ایڑ لگا دی اور ابو عامر اس کے پیچھے بولیا۔ گاؤں سے نکلنے ہی ابو الحسن نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ شام ہونے تک وہ اپنی منزل کا ایک تہائی راستہ طے کر چکے تھے اور جب رات آگئی تو انھیں اپنے گھوڑوں کی رفتار کم کرنی پڑی۔

ابو عامر تھکا دھک سے چور ہو چکا تھا اور ابو الحسن کو راستے کی ہر سستی میں باقی رات گزارنے کا مشورہ دیتا تھا مگر وہ ہر بار یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کر دیتا کہ ہم منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

آدھی رات کے وقت وہ قلعے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ابو الحسن نے دورا ہے پر اپنے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور مڑ کر ابو عامر سے مخاطب ہوا: ”مجھے انوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔“

اب اگر وہ تمہارے لیے قلعے کا دروازہ کھول دیں تو تم جی بھر کر آرام کر سکو گے۔“ ابو عامر نے کہا: ”میں صرف آپ کے لیے یہاں تک آیا ہوں، ورنہ میرے بال بچے پچھلی بستی میں رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس وقت مصعب کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے یہیں ٹھہرنے پر آمادہ ہو جائیں تو میں آپ کے لیے قلعے کا دروازہ کھلوانے کی کوشش کروں۔ میرا گھر اس قابل نہ تھا، ورنہ میں آپ کو وہاں ٹھہرنے کی دعوت دیتا۔“

ابو الحسن نے جواب دیا: ”میرے دوست! اگر میں رُک سکتا تو اس قلعے کی بجائے تمہارے گھر پر ٹھہرنے کو ترجیح دیتا۔ اب تم اپنے گھر جاؤ!“ ابو عامر نے کہا: ”مجھے ڈر ہے کہ رات کے وقت مصعب کے

آدھی قلعے کا دروازہ نہیں کھولیں گے۔“
”تم میری فکر نہ کرو! خدا حافظ!!“

ابو عامر نے کہا: ”مجھے ان کے خیمے نظر نہیں آتے۔ شاید وہ قلعے میں منتقل ہو چکے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں سے نئے آقا آپ جیسے معزز لوگوں کے لیے مہمان خانے کا دروازہ بند کر دیں گے۔ آپ جب چاہیں وہاں آ سکتے ہیں اور میری موجودگی میں آپ کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ آپ کون ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ جب عمار کو یہ معلوم ہوگا کہ سلطان کا ایک دوست جسے انھوں نے اپنے اصطلح کا بہترین گھوڑا بطور تحفہ دیا تھا، آدھی رات کے قریب یہاں ٹھہرنے کی بجائے مصعب کے ہاں چلا گیا تھا تو انھیں بہت انوس ہوگا اور میرے ساتھی جو مجھے آپ کے ساتھ دیکھ چکے ہیں، وہ بھی مجھے ملامت کریں گے۔“

ابو الحسن کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے کہا: ”عارضاً سے میرا ذکر نا ضروری نہیں، اور اپنے ساتھیوں سے تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں نے تمہارے اصرار کے باوجود یہاں رُکنا مناسب نہیں سمجھا۔ خدا حافظ! اور اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔“

فجر کی نماز پڑھ کر سعدانیم خوابی کی حالت میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ سیدہ، اس کی غائہ کمر سے میں داخل ہوئی اور اس کے قریب بیٹھ گئی۔ ”بیٹی سعدا! اس نے مسکراتے ہوئے کہا: ”میں تمہارے لیے یہ تحفہ لائی ہوں۔“

”کیا تحفہ خالہ جان؟“ سعاد نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔
 سیدہ نے جواب دینے کی بجائے پیار سے سعاد کا خوبصورت ہاتھ
 پکڑ کر انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔
 ”خالہ جان! آپ کو معلوم ہے کہ مجھے زیورات کا شوق نہیں۔ سعاد
 نے اٹھ کر انگوٹھی اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
 ”بیٹی! یہ سلطان ابو عبد اللہ کی ملکہ کا تحفہ ہے اور تمہیں اس کی قدر
 کرنی چاہیے۔“

سعاد حیرت کے عالم میں کبھی چمکتے ہوئے نگینے اور کبھی اپنی خالہ کی طرف
 دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو اُڑ آئے اور اُس نے
 شکایت کے لہجے میں کہا ”آپ کو ان سے کوئی چیز نہیں لینی چاہیے تھی۔
 آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ وہ اس قدر قیمتی انگوٹھی آپ کے پاس
 چھوڑ گئی ہیں؟“

”بیٹی! سیدہ نے کہا ”یہ انگوٹھی مجھے ابھی ملی ہے“ اور اسے
 واپس کرنا ممکن نہیں۔ اب شاید ان کے جہاز سمندر عبور کر چکے ہوں گے۔
 ”کون لایا ہے؟“

خالہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”بیٹی!
 ملکہ کا بلچی میرے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے اور میں اس سے یہ نہیں کہہ سکتی
 کہ سعاد ان سے کوئی تحفہ لینا پسند نہیں کرتی۔ تم خود اس سے بات کر سکتی ہو۔“
 ”ملکہ کا بلچی! آپ کے کمرے میں؟ خالہ جان! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“
 خالہ نے آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا:
 ”میں یہ کہہ رہی ہوں کہ ابو الحسن واپس آ گیا ہے۔ سلطان اور ملکہ نے جہاز

پر سوار ہونے سے قبل اچانک محسوس کیا تھا کہ وہ تمہیں اس دیرانے میں
 چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ وہ آدھی رات کے بعد یہاں پہنچا تھا۔“
 سعاد کچھ دیر سکتے کے عالم میں اپنی خالہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اچانک
 اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور وہ اس کی گود میں سر رکھ کر سکیاں
 لینے لگی۔

سیدہ بنے کہا ”مجھے یقین تھا کہ وہ تمہیں چھوڑ کر واپس نہیں جائے
 گا اور میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر تمہارے خالو
 سے کہوں گی کہ میں اپنی مصیبت بچی کا مستقبل اس بہادر اور شریف نوجوان کو سونپتی
 ہوں۔ تمہیں میرا فیصلہ منظور ہے نا سعاد؟“
 سعاد نے جواب دینے کی بجائے خالہ کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے
 لگا لیا۔

ایک خادمہ نے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا ”آنا تشریف
 لے آئے ہیں اور مہمان سے باتیں کر رہے ہیں۔“
 مصعب کی بیوی جلدی سے اُٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی اور تھوڑی
 دیر بعد وہ اپنے کمرے میں مصعب اور ابو الحسن کی باتیں سن رہی تھی۔ ابو الحسن
 انہماک سے بے کمر سمندر کے ساحل تک سلطان کے سفر اور جہاز پر سوار ہونے
 کے واقعات سن رہا تھا۔

جب اس نے بات ختم کی تو مصعب کی بیوی نے اپنے شوہر سے
 مخاطب ہو کر کہا ”اللہ کا شکر ہے کہ ابو الحسن واپس آ گیا ہے اور ملکہ کا بھی شکر گزار
 ہونا چاہیے۔ انھوں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔“

مصعب نے کچھ سوچ کر ابو الحسن سے پوچھا ”تم نے سلطان سے واپس

آنے کی اجازت لی تھی؟

مصعب کی بیوی نے مضطرب ہو کر پوچھا، "ابوالحسن نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ جب اس نے واپس آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو ملک نے ساد کے لیے اپنی انگلی اٹا کر پیش کر دی تھی۔" پھر وہ کچھ سوچ کر ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوئی، "بیٹا! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہیں ساد کی بے بسی پر رحم آ گیا تھا۔ میرا شوہر اتنا نادان نہیں کہ ایسی باتیں نہ سمجھ سکے۔"

مصعب نے کہا، "بیٹا! مجھے معلوم نہیں کہ اب تک میری بیوی تم سے کیا کیا باتیں کر چکی ہے تاہم تمہیں میری طرف سے کسی اطمینان کی ضرورت ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ساد اور اس کی خالہ کی کوئی خواہش رد نہیں کی جائے گی۔" سیدہ بولی، "اگر مجھے اس بات کا احساس نہ ہو تا کہ لوگ ہیں ابوالقاسم کی موت کے متعلق بے حس کاٹھن دیں گے تو میں آپ سے یہ التجا کرتی کہ ہمیں بلا تاخیر ساد کا مستقبل ابوالحسن کو سونپ دینا چاہیے۔"

سیدہ! "مصعب نے تلخ ہو کر کہا، "مجھے بات تو کرنے دو! تم نے یہ کیسے فرض کر لیا ہے کہ ساد کے مستقبل کے متعلق تم مجھ سے زیادہ سچی ہو۔" ابوالحسن! میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ ہم ایک ہفتہ کے اندر اندر اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔

"لیکن اتنی جلدی؟" سیدہ حیران ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔

مصعب نے کہا، "مجھے اپنے مستقبل کے متعلق کوئی اطمینان نہیں اور ابوالحسن کو بھی ہر وقت یہاں سے نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ رہی ساد تو اسے صرف رفیقہ حیات کی حیثیت سے ہی اس کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا جاسکتا

ہے۔"

تھوڑی دیر وہ رکا اور پھر بولا:

"ہم صرف اُس وقت تک محفوظ رہیں گے، جب تک ابوالقاسم کے غائب ہو جانے کی خبر مشہور نہیں ہو جاتی اور حکومت کے جاسوسوں کو یہ شک نہیں ہو جاتا کہ ہم ان کے قاتلوں کو جانتے ہیں۔ میں سلطانہ شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے ابوالقاسم کے متعلق خاموش رہنے کی ہدایت کی تھی، ورنہ میں یقیناً کوئی حماقت کر بیٹھتا اور آج ہمارے دروازے پر دشمن کے جاسوسوں کا پہرا ہوتا۔ اب تم میرے اضطراب کی وجہ سمجھ سکتی ہو۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے بالآخر ابوالحسن نے کہا،

"کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ بھی ہمارے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں؟"

"نہیں! اگر تم سیدہ کو رضامند کر سکو تو میں تمہارا شکر گزار ہوں گا، لیکن میرے لیے اپنے ماضی سے دامن چھڑا کر بھاگنا بہت مشکل ہے۔ جب حالات مجھے مجبور کر دیں گے تو میں اندلس کو الوداع کہنے کے لیے آخری قافلے کا انتخاب کر دوں گا۔"

سیدہ نے آبدیدہ ہو کر کہا:

"لیکن آپ یہ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ میں موت سے پھلے آپ کا ساتھ چھوڑ دوں گی۔"

مصعب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا

”اس وقت ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، مگر جب سعاد کے متعلق ہمارے
خداشات دور ہو جائیں گے تو ہم اپنے مستقبل کے متعلق زیادہ اطمینان سے سوچ
سکیں گے۔“

مستریں اور آنسو

پچھنے روز مصعب نے وادی کے ساتھ معمر کانوں کو کھانے کی دعوت
دی اور طلوع آفتاب سے کچھ دیر بعد وہ قلعے کے صحن میں شامیانے کے نیچے
جمع ہو رہے تھے۔

گزشتہ تین برس میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس طبقے کے لوگوں کو معانوں
کی حیثیت سے خوشنما قالینوں پر بٹھایا جا رہا تھا، ابوالحسن نیالہاس پہنے اُن
کے سامنے علاقے کے قاضی اور مصعب کے درمیان سر جھکائے بیٹھا تھا
— حاضرین مجلس کی نگاہیں اسی کے خوبصورت چہرے پر مرکوز تھیں۔

مصعب کچھ دیر قاضی سے باتیں کرتا رہا اور پھر اس نے معانوں کی
طرف متوجہ ہو کر کہا: ”برادران! میں نے آپ کو اپنی بھانجی سعاد کی شادی میں
شرکت کے لیے یہاں تشریف لانے کی تکلیف دی ہے۔“

محفل پر ایک سناٹا چھا گیا — ان کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ
تھا کہ دو لہا کون ہے۔ اگر ابوالحسن انتہائی سادہ لباس میں ملبوس ہوتا تو بھی وہ
یہی خیال کرتے کہ اس مجلس میں ابوالقاسم کے خاندان کی لڑکی کا رفیقِ حیات
بننے والا اس خوش وضع نوجوان کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، لیکن یہ اعلان جس

قدر اچانک تھا، اسی قدر غیر متوقع بھی تھا۔ انھیں اس بات پر حیرت تھی کہ
الغبار کا کوئی معزز سردار وہاں موجود تھا اور ابوالحسن بھی جسے ہر حالت میں
اس موقع پر موجود ہونا چاہیے تھا۔ غیر حاضر تھا۔

”برادران!“ مصعب نے ابوالحسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا
یہ نوجوان جسے ہم نے اپنی بچی کی دائمی رفاقت کے لیے منتخب کیا ہے،
ابوالحسن ہے! آپ اس بات سے حیرن ہوں گے کہ اس شادی پر کوئی بڑا
اہم نہیں کیا گیا جسے ہمارے خاندان کے شایان شان سمجھا جاتا، لیکن بعض
فرائض ایسے ہوتے ہیں جو انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی سرانجام دینے
پڑتے ہیں

سلطان کی ہجرت ایک بہت بڑا سانحہ تھا اور میں جانتا تھا کہ
لوگوں کے آئسوا بھی تک خشک نہیں ہوتے۔ اس لیے میں اپنے چند
پڑوسیوں کے سوا باہر کے کسی نہیں یا سردار کو یہ پیغام بھیجنے کی جزا ت ذکر
سکا کہ ہمارے گھر میں شادی ہو رہی ہے۔ مجھے آپ حضرات کو بھی شادی کا
دعوت نامہ بھیجتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی تھی۔ اگر میں یہاں آتا تو آپ شاید
یہی سمجھتے کہ میرے دل پر موجود حالات کا کوئی اثر نہیں۔ اب میں آپ کو
بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے اچانک یہ فیصلہ کیوں کر نا پڑا

ابوالحسن غناط کے ایک انتہائی معزز خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ان
کے والد غناط کے ایک نامور اور بہادر سپاہی تھے۔ یہ نوجوان اپنے والدین کی
وفات اور خاندان کے باقی افراد کی ہجرت کے بعد سلطان کے پاس آ گیا تھا
ابوالقاسم جب کچھلی مرتبہ یہاں آئے تھے تو انھوں نے مجھے اختیار دیا تھا کہ میں
کوئی موزوں رشتہ تلاش کر کے سعاد کی شادی کر دوں۔

میں سلطان سے ابوالحسن کے متعلق بات کرنے کی سوچ رہا تھا، لیکن
جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ ہجرت کرنے والے ہیں اور ابوالحسن بھی ان کے ساتھ
جا رہا ہے تو میں نے ارادہ بدل دیا

سعاد کی خالہ کو بھی یہ نوجوان بہت پسند تھا اور انھیں اس بات کا
افسوس تھا کہ وہ باہر ہے۔ لیکن قدرت کو یہی منظور تھا۔ ملکہ کو میری بھانجی بہت
عزیز تھی۔ سلطان ابوالحسن کے قدر زان تھے اور وہ ان کے درمیان ایک
وسیلہ بن گئے۔ انھوں نے ساجل سے ابوالحسن کو واپس کر دیا اور مجھے یہ پیغام
بھیجا کہ اگر میں سعاد کو اس کے عقد میں دے دوں تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔
انھوں نے یہ تاکید بھی کی ہے کہ انھیں شادی کے بعد جلد از جلد مراکش بھیج
دیا جائے

اگر ابوالقاسم یہاں ہوتے تو ہم سلطان کے آخری حکم کی تعمیل میں
ایک دن بھی تاخیر سے کام نہ لیتے۔ ذہ مجھ سے یہ کہہ گئے تھے کہ اگر سعاد کے
یہ کوئی موزوں رشتہ مل جائے تو کسی تاخیر کے بغیر اس کا نکاح کر دیا جائے
اگر مجھے صرف دو دن قبل اطلاع مل جاتے گی تو بھی میں پنج جاؤں گا

میں نے ابوالحسن کی آمد سے تھوڑی دیر بعد انھیں شادی کی تاریخ
کی اطلاع بھیجی تھی اور میرا خیال تھا کہ وہ دو تین دن قبل یہاں پہنچ جائیں
گے اور پھر اگر انھوں نے مشورہ دیا تو شاید یہاں کسی بڑی دعوت کا انتظام
کیا جاتا، لیکن بد قسمتی سے وہ غناط میں نہیں ہیں اور ان کے گھر میں بھی کسی کو
یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ طلیطلہ چلے گئے ہوں
بہر حال آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے حالات میں میں اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔
مجھے افسوس ہے کہ میں اس علاقے کے ہر آدمی کو دعوت نہیں دے

سکا۔ لیکن کسی کو یہ شکایت نہیں ہونی چاہیے کہ میں نے اسے نظر انداز کیا ہے اس لیے میں ابوالقاسم کی طرف سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اُن کی جاگیر کے تمام کسانوں کو اگلی فصل کا پورا لگان معاف کر دیا گیا ہے۔

تقریر ختم کرنے کے بعد مصعب نے ابوالحسن کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور قاضی کے علاوہ دو عمر آدمیوں کو ساتھ لے کر اندر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد ابوالحسن اور سعاد قاضی اور گواہوں کے سامنے باری باری ایک ایک مقدس رسم کے آخری الفاظ دہرا رہے تھے :

”مجھے منظور ہے۔“

”مجھے منظور ہے۔“

”مجھے منظور ہے۔“

کائنات کی دوستیں سمٹ رہی تھیں اور انھیں ایک چھوٹے سے دائرے میں ایک دوسرے کے سوا کسی اور کی موجودگی کا احساس نہ تھا :



مہمان کھا نا کھانے کے بعد رخصت ہو چکے تھے۔ دُلمن کے کمرے میں چند عورتیں جمع تھیں اور دوسرے کمرے میں ابوالحسن مصعب اور اس کی بیوی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

مصعب نے سعیدہ سے مخاطب ہو کر کہا ”تم اس بات سے پریشان نہیں کہ جب میں لوگوں کو گھر بلا کر اچانک شادی کا اعلان کروں گا تو وہ کیا خیال کریں گے؟ لیکن اب تم ابوالحسن سے پوچھ سکتی ہو کہ ان کے ساتھ میری گفتگو کتنی موثر تھی۔ قاضی بہت ہوشیار آدمی ہے۔ لیکن میں نے اُسے بھی یہ احساس

نہیں ہونے دیا کہ میں ایک فرضی داستان سنارہا ہوں۔ وہ کہتا تھا کہ موجودہ حالات میں ہمیں یہی کرنا چاہیے تھا

اب میرے ذہن میں حادث کے متعلق تھوڑی سی الجھن باقی ہے۔ وہ یقیناً یہ شکایت کرے گا کہ میں نے اسے کیوں دعوت نہیں دی اور آپ جانتی ہیں کہ میں ایک ایسے پڑوسی کو ناراض بھی نہیں کر سکتا جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ آج شام یا کل صبح اس سے مل کر یہ کہوں کہ ابوالقاسم کی غیر حاضری کے باعث ہم کسی معزز آدمی کو دعوت نہیں دے سکے۔ جب وہ آئیں گے تو ہم آپ جیسے لوگوں کے لیے ایک عظیم دعوت کا اہتمام کریں گے

اور ہاں سعیدہ! اس نے ذرا سوچتے ہوئے کہا — ابوالحسن اور سعاد کو ہر وقت سفر کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ صبح صبح مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ طلوع آفتاب سے قبل پڑوس کی ایک بستی کے کسانوں نے چند سواروں کو دوسری وادی کا رخ کرتے دیکھا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ قلعے کی طرف گئے تھے یا آگے نکل گئے ہیں :

سعیدہ نے کہا ”وہ غرناطہ کے مہاجر ہوں گے۔“
مصعب بولا ”مہاجرین کا قافلہ صرف چند سواروں پر مشتمل نہیں ہوتا اور وہ رات کے وقت سفر بھی نہیں کرتے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غرناطہ سے کوئی قافلہ اس طرف آئے اور ہمیں اطلاع نہ ملے۔ پچھلے پہر سفر کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ سوار کسی ہم پر جارہے تھے اور انھوں نے رات کے وقت راستے میں قیام نہیں کیا۔“

سعیدہ نے کہا ”آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا

کہ سوار غرناطہ کی بجائے راستے کی کسی دادی سے آسے ہوں۔
مصعب چند ثانیے سر جھکا کر کچھ دیکھا رہا۔ پھر اس نے کہا "سعیدہ!
میں کچھ دبی سا ہو گیا ہوں۔ دراصل مجھے ہر وقت یہ پریشانی رہتی ہے کہ سعادو
ابوالحسن اس جگہ محفوظ نہیں؟"

سعیدہ نے مضطرب ہو کر کہا "کیا آپ کوئی اچھی بات نہیں سوچ سکتے؟
ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "جناب! ایک محرز آدمی
آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا نام حارث ہے اور میں آپ کو
مبارکباد دینے آیا ہوں۔ ہم نے اسے ملاقات کے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔"
چند لمحے وہ دونوں اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف
دیکھتے رہے۔ پھر مصعب نے دوتی ہوئی آواز میں پوچھا "وہ کیسا آیا ہے؟"
"نہیں جناب!" نوکر نے جواب دیا "اس کے ساتھ آٹھ دس
مسلم سوار بھی آئے ہیں اور وہ قلعے کے دروازے سے باہر کھڑے ہیں۔"
مصعب نے اٹھ کر کہا: "سعیدہ! میں نیچے جاتا ہوں۔ ممکن ہے
کہ ہمیں فوراً کوئی فیصلہ کرنا پڑے اس لیے تم عورتوں کو رخصت کرو اور سعادو
یہاں بے آواز اور بیٹا ابوالحسن! تم سب کے لیے تیار ہو جاؤ!"

ابوالحسن نے اٹھ کر جواب دیا "میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ ہمیں
یہ اثر نہیں دینا چاہیے کہ میں اس کی نگاہوں سے چھینا جاتا ہوں۔ میں اس
وقت بھاگنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ میرے
ہی لیے آئے ہیں تو اب تک فرار کے تمام راستے بند کر چکے ہوں گے۔
ہمارے لیے کسی خطرے سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ تم اپنے خواص
قائم رکھیں میری خواہش ہے کہ آپ اسے اس سے زیادہ کچھ نہ جانیں کہ میں

چند ہفتے قبل آپ کے لیے ایک اجنبی تھا۔ غرناطہ سے سلطان کے پاس آیا تھا
اور ان کی قیام گاہ پر سہاری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ آپ کو یہ معلوم نہیں
کہ ابوالقاسم کہاں ہے اور اس بارے میں میں نے آپ کو کوئی اطلاع بھی
نہیں دی! میری طرف داری سے آپ پر مصیبت تو آ سکتی ہے، مجھے اس
کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آئیے! ابوالحسن نے مصعب کا ہاتھ پکڑ
لیا اور وہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ چل دیا۔

چند منٹ بعد وہ ملاقات کے کمرے میں حارث سے مصافحہ کر رہے
تھے۔ بھاری جسم اور درمیانے قد کا یہ آدمی ان لوگوں میں سے تھا جو نصف صدی
کی بہاریں دیکھنے کے بعد بھی چالیس سال کے نظر آتے ہیں اور جن کے چہرے
پر گوشت کی بھاری تہ ایک نقاب کا کام دیتی ہے۔

"تشریف رکھیے!" مصعب نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ
کو دعوت نہ دے سکا۔ حالات ایسے تھے کہ میں غلطی کے کسی سرکردہ آدمی
کو نہیں بلا سکا اور میں نے صرف ایک رسم پوری کرنے کے لیے اپنے چند
کسانوں کو بلایا تھا۔ اگر ہم سلطان کی ہجرت کے فوراً بعد کسی خوشی کا مظاہرہ
کرتے تو لوگ ہمیں بے حسی کا طعنہ دیتے، تاہم اگر ابوالقاسم تشریف لے آتے
تو آپ کے علاوہ دو چار اور معزز لوگوں کو دعوت ضرور دی جاتی۔ یہ
ابوالحسن ہیں اور میری بھانجی جس کے ساتھ ان کا نکاح ہوا ہے ایک یتیم لڑکی
ہے۔"

حارث نے ابوالحسن سے دوبارہ مصافحہ کرنے کے بعد اسے اپنے
قریب ٹھاتے ہوئے کہا "نوجوان! میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں! وہ
چند ثانیے غور سے اس کی طرف دیکھتا ہوں۔ پھر مصعب سے مخاطب ہو کر بولا:

”ان حالات میں آپ کو یہی کرنا چاہیے تھا، لیکن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آج آپ کے خاندان کی ایک قیمتی لڑکی کی شادی ہو رہی ہے تو میں سیدہ دعوت کے بغیر بھی حاضر ہو جاتا۔ مجھے ایک نوکر نے اطلاع دی تھی اور اس کو غالباً آپ کے کسی کسان سے یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ نے اس شادی کی خوشی میں ایک فصل کی تمام لگان معاف کر دی ہے۔ میں آپ کو اس بات پر بھی مبارکباد دینا چاہتا تھا کہ آپ نے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔“

مصعب کی پریشانی کسی حد تک دور ہو چکی تھی تاہم اس نے مزید صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ایک بار پھر ذرا اختصار کے ساتھ اپنی داستان سنائی اور اختتام پر کہا ”مجھے امید ہے کہ ابوالقاسم بہت جلد آجائیں گے اور ہم انشاء اللہ ایک بڑی دعوت کا انتظام کریں گے۔“

حادث نے کچھ سوچ کر کہا ”قلعے کے نوکروں نے مجھے بتایا تھا کہ ابوالحسن وزیر ابوالقاسم کی روانگی سے اگلے روز وہاں پہنچا تھا۔“

”ہاں!“ مصعب نے ابوالحسن کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ غرناطہ کے راستے میں ابوالقاسم سے اس کی ملاقات ضرور ہوئی ہوگی؟“ حادث کی نگاہیں ابوالحسن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”اُس نے جواب دیا“ میں نے راستے میں کئی لوگ دیکھے تھے لیکن ابوالقاسم سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ پھر میں نے انھیں غرناطہ میں بھی اتنا قریب سے نہیں دیکھا تھا کہ اگر وہ راستے میں نظر آتے تو انھیں پہچان لیتا۔“

حادث نے سوال کیا ”تم نے کسی جگہ چند مسلمان اور چند نصرانی سوار دیکھے تھے؟“

”نہیں!“ ابوالحسن نے جواب دیا ”میں راستے میں گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد جب مجھے ہوش آیا تو میرا گھوڑا وہاں موجود تھا۔ پھر مجھے پیاس محسوس ہوئی تو میں پانی کی تلاش میں وادی کی ایک بستی کی طرف چلا گیا تھا اس بے میں ان سواروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

حادث نے مصعب سے مخاطب ہو کر کہا ”آپ ابوالحسن کو تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بھیج سکتے ہیں؟ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ غرناطہ سے ایک افسر میرے پاس آیا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ چند سپاہی غرناطہ کے راستے میں لاپتہ ہو گئے ہیں۔ یہ واقعہ غالباً ابوالقاسم کی روانگی سے اگلے روز پیش آیا تھا۔ اس لیے یہ افسر جسے تحقیقات کے لیے بھیجا گیا ہے، ہر اس آدمی سے پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے جس نے اس روز غرناطہ کے راستے پر سفر کیا تھا۔ میں ابوالحسن کو تکلیف دینا انتہائی نامناسب سمجھتا ہوں لیکن مجھے غرناطہ کے گورنر کی طرف سے یہ حکم موصول ہوا ہے کہ میں اس معاملے میں پورا پورا تعاون کر دوں اور آپ سے بھی میں تعاون کی توقع رکھتا ہوں۔“

مصعب بے چارگی اور بے بسی کی حالت میں حادث کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن ابوالحسن نے مسکراتے ہوئے کہا ”آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ اگر میں غرناطہ کے راستے میں نصرانی سپاہیوں کو نہیں دیکھ سکا تو یہ کوئی جرم نہیں۔ آپ ذکر کو میرا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیں اور مجھے تیاری کے لیے صرف چند منٹ کی ضرورت ہے۔“

حادث نے کہا ”گھوڑا تیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی قلعے سے باہر کھڑے ہیں اور ایک سوار ابوالحسن کو اپنا گھوڑا دے سکتا ہے۔ اگر یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے نکلا تو گھر کے لوگ پریشان ہوں گے،“

انشاء اللہ یہ تھوڑی دیر تک واپس آجائے گا اور آپ کو پریشانی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم اسے سیدل بیچ دیں گے۔
معصوب بولا: "نہیں میں اس کے ساتھ پاؤں کا۔"

ابو الحسن نے کہا: "نہیں! آپ یہیں رہیں۔ ہم دونوں کی غیر حاضری بہت زیادہ محسوس کی جائے گی۔ میرے متعلق آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے غناط سے کسی دوست کی آمد کی اطلاع ملی تھی اور میں نے اچانک ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔" پھر وہ حادثہ سے مخاطب ہوا: "میں صرف چند منٹ کے لیے اجازت چاہتا ہوں۔"

"بہت اچھا! میں آپ کا انتظار کرتا ہوں لیکن یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو وہاں سے جانا میری ذمہ داری ہے اور میں ایک محتاط آدمی ہوں۔" آپ کا خیال سے کہ میں ایک نصرانی افسر سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جاؤں؟

حادثہ مسکرایا: "نہیں! نہیں! میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم بلاوجہ ایسی حرکت کر سکتے ہو؟
ابو الحسن کمرے سے باہر نکل گیا۔

ابو الحسن بھاگتا ہوا بالائی منزل کے کمرے میں داخل ہوا۔ سعاد اور اس کی خالہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ اس نے کہا: "سعاد! میرے پاس بہت تھوڑا وقت ہے۔ اس لیے میری باتیں غور سے سنو! میں نے تمہیں سلطان کے ایک ذکر ابو عامر کے متعلق بتایا تھا جو ساحل سے میرے ساتھ واپس آ

آگیا تھا۔ اب میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ابو عامر ہی ابو القاسم کے قاتلوں کا جاسوس ہے اور نصرانی اس کی اطلاع پر یہاں آئے ہیں۔ وہ قلیے کی بجائے پاس ہی ایک بستی میں رہتا ہے اور تمہیں اس سے بہت محتاط رہنا چاہیے! اب حادثہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے اور تمہارے خالو تمہیں یہ سمجھا سکیں گے کہ موجودہ حالات میں میں انکار نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ نصرانیوں کو اس بات کا یقین ہو چکا ہو کہ میں ان کے جرم کا چشم دید گواہ ہوں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف اپنے شکوک دفع کرنا چاہتے ہوں اور میں انہیں مطمئن کرنے کے بعد واپس آجاؤں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جاری آخری ملاقات ہو یا میں جلدی واپس نہ آسکوں۔"

"نہیں! نہیں!!" سعاد آگے بڑھ کر بے اختیار اپنے شوہر سے لپٹ گئی۔ "الغبارہ میں ابو القاسم کے قاتل تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ لوگ ان کی بوٹیاں فوج لیں گے۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی۔"

ابو الحسن نے پھر اتنی ہرٹی آواز میں کہا: "سعاد! خدا کے لیے ہمت سے کام لو اور میری باتیں غور سے سنو! وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ میں ابو القاسم کے بارے میں کیا جانتا ہوں اور میں نے تمہیں کیا بتایا ہے۔ میں انہیں مطمئن نہ کر سکا تو وہ دوبارہ یہاں آئیں گے اور پھر تمہارے ذکر بھی محفوظ نہیں ہوں گے۔ اگر تم اس گھر کو تباہی سے بچانا چاہتی ہو تو تمہیں اس کے سوا کچھ نہیں بتانا چاہیے کہ میں زخمی تھا۔ میری ہمت جواب دہ چکی تھی۔ اتفاق سے تم آدھر آ گئی تھیں۔ میں سلطان کے پاس جانا چاہتا تھا اور تم نے میرے لیے ایک گھوڑے کا انتظام کر کے وہاں پہنچا دیا تھا۔ لیکن میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے راستے میں کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا۔ سعاد! میری وہ

سے اس گھر پر مصیبت نہیں آئی چاہیے۔ تمہارے خالو کو یہ ہرگز تسلیم نہیں کرنا چاہیے کہ میں نے انھیں ابوالقاسم کے قتل کے متعلق کوئی اطلاع دی ہے اگر انھوں نے ذرا سی بھی غلطی کی تو حکومت کی نظر میں اُن کی وفاداری مشکوک ہو جائے گی اور پھر انھیں ایک دن کے لیے بھی یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انھیں زبان کھولنے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ موجودہ حالات میں انفجار کے لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ابوالقاسم کے قتل پر مشتعل ہو جائیں گے یا مجھ جیسے گناہ آدمی کے قتل کو کوئی اہمیت دی جائے گی لیکن مجھے یقین ہے کہ کسی دن وہ اپنی بقا کے لیے تلواریں نکالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ بیکسوں کے ہاتھ صرف دُعا کے لیے اٹھ سکتے ہیں اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جزا اور سزا کے مالک کی بارگاہ میں تمہاری دُعائیں راگلاں نہیں جائیں گی۔

سعاد! ہمت سے کام لو۔ مجھے یقین ہے کہ میں واپس آؤں گا۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہو کہ تم ان درندوں سے محفوظ ہو تو میں بڑی سے بڑی مصیبت کا سامنا کر سکوں گا۔ سعاد! خدا حافظ!! خالہ جان! خدا حافظ!!

ابوالحسن اپنی بیوی کی گرفت سے آزاد ہو کر دروازے کی طرف بڑھا۔

”خدا حافظ!“ سعاد نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ ابوالحسن اچانک رگ گیا، لیکن اسے مڑ کر دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

سعاد کی خالہ کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی اُس نے لڑکھڑاتے ہوئے دروازے کی طرف چند قدم اٹھائے، لیکن ابوالحسن جاچکا تھا۔



ابوالحسن قلعے کے اسی کمرے میں کھڑا تھا جہاں سلطان ابوالعلاء اور اُس کی ملکہ کے ساتھ اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے سامنے حارث اور فریخت کی فرج کا انصر جس کا نام ڈان لونی تھا، کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے دائیں بائیں ابوعامر اور قلعے کے چار اور نوکرانوں کے علاوہ آٹھ مسلح نصراہانی کھڑے تھے۔

ڈان لونی ایک قوی، ہیکل چامیس، مادہ آدمی تھا۔ وہ کچھ دیر دینی زبان میں حارث سے باتیں کرتا رہا، پھر وہ ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوا:

”تمہارا نام ابوالحسن ہے؟“ وہ اپنی زبان کی بجائے عربی بول رہا تھا۔

”ہاں!“ ابوالحسن نے جواب دیا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں یہاں کس لیے بلایا گیا ہے؟“

حارث نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کے چند آدمی لاپتہ ہو چکے ہیں اور آپ مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں ان کے متعلق کیا جانتا ہوں:

ڈان لونی نے کچھ سوچ کر کہا: ”مجھے حارث نے بتایا ہے کہ آج تمہاری شادی ہوئی ہے اور میں کوئی سوال کرنے سے پہلے تمہیں خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے سامنے غلط بیانی تمہارے لیے بہت نقصان دہ ہوگی۔ تم ایک نازک آدمی معلوم ہوتے ہو اور ہم انتہائی سخت جان لوگوں کو بھی کچ بولنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔“

”آپ کو مجبور کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“

”بہت اچھا! تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم ہمارے آدمیوں کے متعلق کیا جانتے ہو؟“

ابوالحسن نے جواب دیا: ”میں نے راستے میں چند قاتلوں کو قتل کے سپاہیوں کے بھیس میں دیکھا تھا لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ سے

ان کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے ؟
قاتلوں سے ؟

”ہاں ! جب میں نے انہیں دیکھا تھا تو وہ اپنے ساتھی کو زبردستی پکڑ کر گھوڑے سے اتار رہے تھے۔ گھوڑے سے گرنے کے بعد میں اُسے قتل ہوتے نہیں دیکھ سکا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں نے قاتلوں کو تلواریں بلند کرتے دیکھا تھا اور مقتول کی چنجیں بھی سنی تھیں۔“

ڈان لوئی پریشان ہو کر حادثہ کی طرف دیکھنے لگا تو وہ غصے کی حالت میں ابوالحسن سے غمگین ہوا :
”لیکن تم نے میرے سامنے جو داستان بیان کی تھی وہ سراسر اس کے برعکس تھی۔“

ابوالحسن نے جواب دیا : ”میں جراتیں یہاں کہہ سکتا ہوں وہ مصعب کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔“
”اس کی وجہ ؟“ ڈان لوئی نے ابوالحسن کے چہرے پر گہری نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”اس کی وجہ یہ ہے کہ مصعب میری بیوی کا خالو ہے اور مجھے اُس کے سامنے اپنی بزدلی کا اعتراف کرتے ہوئے مذمت محسوس ہوتی تھی۔ میں نے ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا تھا، اُس کی چنجیں سنی تھیں، لیکن میں اس کی مدد کرنے کی بجائے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ آیا تھا۔ ممکن ہے میں ایک بھاری کی اوٹ میں بے حس و حرکت پڑا رہتا، لیکن وہ ایک بھاگتے ہوئے گھوڑے کو پکڑنے کے لیے سیدھے میری طرف آ رہے تھے اور مجھے پیدل چلنے کی بجائے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنا زیادہ آسان

نظر آیا۔ انہوں نے اپنا جرم چھپانے کے لیے مجھے بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور ساری رات میرا پیچھا کیا تھا، لیکن یہ ایک معجزہ تھا کہ میں اُن کے ہاتھ نہ آسکا۔“

ڈان لوئی نے سوال کیا : ”تمہیں معلوم ہے کہ مقتول کون تھا ؟“
”نہیں، لیکن مجھے شبہ ہے کہ وہ ایک مسلمان کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ تمہیں شبہ ہے ؟“

”ہمارے درمیان کافی فاصلہ تھا اور میں بلندی ہے اس کا چہرہ اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔“

”تم نے یہاں پہنچ کر کسی اور سے بھی اس واقعے کا ذکر نہیں کیا ؟“
”یہاں پہنچ کر مجھے اپنی بزدلی کا ڈھنڈوا پیٹنے کی ضرورت نہ تھی۔“
”حادثہ نے سوال کیا : ”تم مصعب کی بھانجی کے ساتھ یہاں آئے تھے ؟“

”ہاں ! میرا گھوڑا گر کر ہلاک ہو گیا تھا اور میں ایک خطرناک چٹان سے لڑھک کر زخمی ہو گیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے چل رہا تھا۔ پھر راستے میں ایک حمل لڑکی کو میری حالت پر ترس آیا اور اس نے یہ سن کر مجھے سلطان کے پاس پہنچایا کہ چند نامعلوم دشمن میرا پیچھا کر رہے ہیں، لیکن اُس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ رحم دل لڑکی مصعب اور وزیر اعظم ابوالقاسم نے گھرانے سے کوئی تعلق رکھتی ہے۔“
”تم نے اسے یہ بھی نہیں بتایا کہ تم نے راستے میں کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا ؟“

”نہیں !“

”کیوں ؟“

”اس لیے کہ میں نے اس کی آنکھوں میں مروت دیکھی تھی۔ اُس نے محض یہ سُن کر مجھے اپنی اعانت کا مستحق سمجھا تھا کہ میں تنہا آٹھ دس آدمیوں کا مقابلہ کر چکا ہوں۔ اس لیے مجھے یہ اعتراف کرنا گوارہ نہ تھا کہ ایک انسان کو قتل ہوتا دیکھنے کے بعد مجھے صرٹ اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی آدمی ایک ایسی خاتون کی نگاہوں سے گرناسپند نہیں کرتا جسے پہلی نظر دیکھتے ہی اُس نے یہ سمجھ لیا ہو کہ میں اس دنیا میں تنہا نہیں ہوں۔“

ڈان لوئی نے سوال کیا ”تم نے ابو عبد اللہ کے سلسلے بھی یہ واقعات بیان نہیں کیے؟“

”نہیں! انھیں میں نے صرف یہ بتایا تھا کہ میں راستے میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا تھا۔ مجھے یہ غدر نہ تھا کہ وہ فرخ کے سپاہیوں کا مقابلہ کرنے والے کو اپنے پاس پناہ نہیں دیں گے۔“

ڈان لوئی نے کچھ سوچ کر سوال کیا ”اب تمہیں معلوم ہے کہ جو شخص قتل کیا گیا تھا، وہ کون تھا؟“

ابوالحسن نے جواب دیا ”یہاں پہنچ کر میری معلومات میں صرف اتنا اضافہ ہوا تھا کہ ابوالقاسم میری آمد سے ایک دن قبل غرناطہ روانہ ہوا تھا، اور ذاتی نوکروں کے علاوہ قسطلہ کے چند سپاہی بھی اُس کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور شاید اُن کا راستہ بھی وہی تھا جس پر میں اس طرف آ رہا تھا۔ اگر وہ آدمی جسے میں نے قتل ہوتے دیکھا تھا، وزیر ابوالقاسم کے ساتھیوں میں سے کوئی تھا اور قاتل بھی اُس کے اپنے آدمی تھے تو آپ کو یہ معاملہ کرنے کے لیے اُن کے پاس جانا چاہیے تھا۔“

ڈان لوئی اور اُس کے ساتھی کچھ دیر اپنی زبان میں سرگوشیاں کرتے

رہے۔ بالآخر وہ ابوالحسن سے مخاطب ہوا ”لیکن تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ جب قاتلوں نے تمہارا پیچھا کیا تو تمہارے دل میں یہ خیال ضرور آیا تھا کہ وہ تمہیں اپنے جرم کا چشم دید گواہ سمجھ کر قتل کرنا چاہتے ہیں؟“

ابوالحسن نے جواب دیا ”جب وہ زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر انتہائی خطرناک راستے میں میرا پیچھا کر رہے تھے تو میں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا تھا۔ میرا جرم اس کے سوا اور کیا تھا کہ میں نے ایک آدمی کو قتل کر دیکھا تھا اور پھر اپنی جان کے خوف سے ایک گھوڑا پکڑ کر اس پر سوار ہو گیا تھا۔“

”اور اس کے بعد تم میں اچانک یہ جذبات پیدا ہو گئی تھی کہ تمہیں مسیح سپاہیوں پر حملہ کرتے ہوئے بھی کوئی خوف محسوس نہ ہوا؟“

”مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ وہ مجھے قتل کے بغیر میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر اُس پاس حکومت کی کوئی عدالت ہوتی تو میں وہاں پہنچ کر دہائی دیتا کہ یہ لوگ ایک بے گناہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہاں حالات ایسے تھے کہ میں اپنے ترکش کے تیروں اور چٹانوں پر کبھیرے ہوئے پتھروں کے صحیح استعمال سے ہی اس بات کا عملی ثبوت دے سکتا تھا کہ میں زندہ رہنے کا حق رکھتا ہوں۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے تیروں اور پتھروں سے ہمارے تین سوار گھوڑوں سمیت ہلاک اور چار زخمی ہو چکے ہیں۔ ہم تمہیں اس جرم میں پھانسی دے سکتے ہیں کہ تم نے ہمارے سپاہیوں کا مقابلہ کیا ہے؟“

ابوالحسن نے جواب دیا ”میرا قصور صرف یہ تھا کہ میں نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی تھی اور آپ کے سپاہیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ معاہدے کے مطابق مسلمان آپ کی رعایا ہیں اھان کی جان مال

اور عزت کی حفاظت آپ کا فرض ہے اب اگر آپ کو اس بات پر اعتراض ہے کہ میں تنہا ہونے کے باوجود بچ کر نکل آیا ہوں اور وہ زیادہ ہونے کے باوجود نقصان اٹھا چکے ہیں تو آپ کو صلح کے معاہدے میں تسلیم کرنی پڑیگی۔ ڈان لوئی نے جھنجھلا کر کہا "اس کو لے جاؤ! اور کسی کو ٹھہری میں بند کر دو اور پھر سے داروں سے کہہ دو کہ اگر یہ بھاگ گیا تو ان سب کے سر قلم کر دیے جائیں گے۔"

سپاہی ہنگلی تمواروں کے پھر سے میں ابوالحسن کو لے کر چل دیے۔ دروازے کے قریب اس نے مڑ کر حارث اور ابوعامر کی طرف دیکھا۔ حارث کا چہرہ کسی تاثر سے خالی تھا لیکن ابوعامر کا سر جھکا ہوا تھا۔

ڈان لوئی نے حارث اور اپنے دو ساتھیوں کے سوا جو اپنے لباس سے فوج کے عہدے دار معلوم ہوتے تھے، باقی سب کو کمرے سے نکال دیا اور پھر تھوڑی دیر سوچنے کے بعد حارث سے مخاطب ہوا "اس لڑکے کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر آپ کوئی سزا دی گئی تو الفجارہ میں اس کا رد عمل کیا ہوگا؟"

حارث نے جواب دیا "جناب! الفجارہ کے حالات ایسے نہیں کہ میں اسے کوئی سزا دینے کا مشورہ دے سکوں! مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے قیدی بنا کر یہاں رکھا گیا تو بھی میرے لیے اس قلعے کی حفاظت مشکل ہو جائے گی اور میں آپ کو یہ مشورہ بھی نہیں دے سکتا کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے۔"

اگر آپ کے آدمی اسے یہاں پہنچنے سے پہلے گرفتار کر لیتے تو ان کے لیے یہ افواہ اڑانا مشکل نہ تھا کہ ایک سر پھرے نوجوان نے راستے میں ابوالقاسم کو قتل کر دیا تھا۔ پھر اگر اسے قلعے کے دروازے کے سامنے پھانسی دی

جاتی، تو بھی اس کے حق میں کسی کی آواز بلند نہ ہوتی بلکہ الفجارہ کے عوام آپ کے شکر گزار ہوتے لیکن اب ہم یہ موقع کھو چکے ہیں اور اگر اس پر ابوالقاسم کے قتل کا الزام عاید کیا جائے تو گواہی دینے والوں کو اس سوال کا جواب بھی دینا پڑے گا کہ وہ اتنے دن کیوں خاموش رہے اور ایک لڑکا اسے آزمودہ کار سپاہیوں کی موجودگی میں ابوالقاسم کو قتل کرنے کے بعد بچ کر کیسے نکل گیا۔ کم از کم مصعب کو تو ہماری کسی بات کا یقین نہیں آئے گا۔"

ڈان لوئی کے ایک ساتھی نے غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا: "اس وقت ہمارے سامنے یہ مسئلہ نہیں ہے کہ اسے ابوالقاسم کا قاتل ثابت کیا جائے بلکہ ہم اپنے تین بہترین سپاہیوں کے قاتل کو سزا دینا چاہتے ہیں اور وہ اپنا جرم تسلیم کر چکا ہے۔"

حارث نے جواب دیا "مجھے ان تین سپاہیوں کے قتل ہو جانے کا آپ سے کم افسوس نہیں، لیکن ہم اس وقت غرناطہ میں نہیں بلکہ الفجارہ میں ہیں اور الفجارہ کے لوگوں کو یہ سمجھانا بہت مشکل ہوگا کہ اپنی جان بچانے کے لیے عیسائی سپاہیوں کا مقابلہ کرنا جرم ہے۔ اسے مصعب کے گھر سے یہاں لانے کے لیے میں نے بہانہ کیا تھا کہ فوج کے چند آدمی لاپتہ ہو چکے ہیں جنہیں ڈان لوئی تلاش کر رہے ہیں اور اب اگر ہم اپنا یہ موقع تسبیل کریں تو مصعب کے دل میں کسی شکوک پیدا ہوں گے۔"

دوسرے افسر نے کہا "تمہارا خیال ہے کہ مصعب اس لڑکے کی جان بچانے کے لیے حکومت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دے گا؟"

"نہیں! مصعب ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ سب صرف اس کی ذات تک محدود ہوتا تو میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا کہ الفجارہ میں

بہت کم آدمی ایسے ہوں گے جو اس کی آواز پر لبیک کہیں گے لیکن وہ لڑکی جس کے ساتھ اس کی شادی ہوئی ہے، مصعب اور ابوالقاسم کی رشتہ دار ہونے کے علاوہ ایک ایسے آدمی کی بیٹی ہے جسے انجوارہ کے قبائل غرناطہ کی جنگ آزادی کے ایک الوالعزم سپاہی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ عین شادی کے دن اس کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی۔ اور پھر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ابوالحسن بھی غرناطہ کے ایک بااثر گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔

ڈان لوئی نے کہا "تم درست کہتے ہو۔ موجودہ حالات میں ہم یہاں کسی بے چینی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، لیکن تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ ہم یہاں کسی کھلی عدالت میں اس پر مقدمہ چلانے کے ارادے سے آئے ہیں اور آج ہمارے سامنے اُس نے جو بیان دیا ہے، وہ اس کا پہلا اور آخری بیان نہیں تھا۔ ہم اُسے آزاد نہیں کر سکتے۔ اسے قتل بھی نہیں کر سکتے اور ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ اسے قلعے میں قیدی بنا کر رکھا جائے۔ اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ اسے کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے کہیں دُور پہنچا دیا جائے۔ اس لیے ہم رات کے وقت قیدی کے ساتھ یہاں سے جنگل جائیں گے۔"

حادث نے بدحواس ہو کر کہا "لیکن میں مصعب کو کیا جواب دوں گا؟ ڈان لوئی بولا "مصعب کو ٹالنے کے لیے واقعی کسی معقول بہانے کی ضرورت ہے اور اس وقت سیرادماغ کام نہیں کرتا۔ اسے مطمئن کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

حادث نے جواب دیا "ہمارا مقصد مصعب کو مطمئن کرنا نہیں بلکہ

اس کی زبان بند رکھنا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو ہمیشہ کسی خطرے سے دُور رہنا پسند کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ابوالقاسم کو قتل ہوتے دیکھتا تو بھی اس کی جاگیر چھین جانے کے خوف سے اپنی زبان بند رکھتا۔ کم از کم اس وقت تک اس کی طرف سے کوئی ردِ عمل ظاہر نہ ہوتا جب تک کہ اُسے اپنے مقاصد میں کامیابی کی پوری اُمید نہ ہو جاتی۔"

"تمہارا خیال ہے کہ ابھی تک وہ ابوالقاسم کے انجام سے بے خبر ہے اور اس لڑکے نے اسے کچھ نہیں بتایا ہو گا؟"

"جناب! مجھے یقین ہے اور میرے یقین کی متعدد وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کے قتل کا واحد عینی شاہد یہ لڑکا ہے اور مجھے اس کی گفتگو سے یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ ابھی تک اس نے یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی۔ وہ اس اطمینان کے ساتھ بے دھڑک آپ کے سامنے پیش ہو گیا تھا کہ آپ کے سامنے سچ بولنے میں ہی اس کی بھلائی ہے۔ ورنہ اگر اس کے دل میں کوئی شک شبہ ہوتا یا اگر وہ یہ محسوس کرتا کہ آپ کی آمد براہِ راست ابوالقاسم کے قتل سے تعلق رکھتی ہے تو ہم اسے اتنی آسانی سے گرفتار نہ کر سکتے۔ پھر اگر مصعب یا ان کے گھر کا کوئی اور فرد اس کا راز دار ہوتا تو وہ اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ کم از کم ابوالحسن کی بیوی یہ دہائی ضرور دیتی کہ ابوالقاسم کے قاتل اب میرے شوہر کو پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔"

میرے اس یقین کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کبھی بھی لوگ اپنے خاندان کے کسی سرکردہ آدمی کی موت کی اطلاع ملنے کے فوراً بعد گھروں میں شادیوں کا اہتمام نہیں کرتے۔"

ڈان لوئی نے کہا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ابوالحسن نے اسے یہ بتا دیا ہو کہ

وہ سے آدمی ابوالقاسم کے قتل پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے تلاش کر رہے ہیں اور اس شادی کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہم اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں۔
جناب! لوگ ایک اجنبی کی جان بچانے کے لیے اپنی بیٹی کا مستقبل خطرے میں نہیں ڈالتے۔ اگر مصعب کو اس بات کا علم ہوتا کہ ابوالحسن کو کوئی خطرہ ہے تو وہ اسے اپنے گھر کی چار دیواری کے قریب بھی نہ آنے دیتا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو ایک اجنبی کی مصیبت اپنے سر سے لیتے ہیں۔ آپ اطمینان سے قیدی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ میں مصعب کو پُر امن رکھنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ میں اسے سمجھا سکوں گا کہ حکومت کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دینے اور ابوالحسن کو بچھڑانے کی واحد صورت یہ ہے کہ اسے کچھ عرصے کے لیے خاموش رہنا پڑے گا۔

”لیکن تم کہتے ہو کہ ابوالحسن کی بیوی تمہارے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہے؟“
”اگر اسے یہاں قید رکھا جاتا یا انفجار کے لوگوں کے سامنے کوئی سزا دی جاتی تو میرے لیے واقعی خطرہ پیدا ہو سکتا تھا لیکن جب وہ یہ نہیں گے کہ ابوالحسن یہاں نہیں اور وہ پُر امن رہ کر ہی اسے آپ کے قبضے سے چھڑا سکتے ہیں تو وہ اُن تک نہیں کریں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اگر واقعی مصعب اُس کی تلاش میں غرناطہ پہنچ جائے تو اسے آپ کی کسی بات سے یہ شہ نہم ہونا چاہیے کہ ابوالحسن کا قصہ ختم ہو چکا ہے۔“

”ڈان لونی نے مجھ بھلا کر کہا۔ لیکن تمہیں یہ کیسے خیال آیا کہ میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں؟ یا میرا زہن اس قدر ماؤٹ ہو چکا ہے کہ میں ایک کمزور آدمی کو ٹھہر نہیں کر سکوں گا؟“

حادث نے سرعوب ہو کر کہا ”جناب! مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے قیدی

کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے۔ میرا یہی خیال تھا کہ آپ شاید ایک ہوشیار اور نڈر دشمن کا زندہ رہنا پسند نہ کریں۔“

”کیا ہم اسے زندہ رکھ کر کوئی مفید کام نہیں لے سکتے! اگر غرناطہ کا گورنر اسے سزا دینے پر تضرع نہ کرے تو میں اسے اپنی ذمہ داری پر بلندیہ بھیج دوں گا۔ وہاں مجھے اپنی زمین آباد کرنے کے لیے تندرست غلاموں کی ضرورت ہے۔“

حادث کوئی سوال کرنا چاہتا تھا کہ ڈان لونی بولا ”تمہیں بہر حال پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ یہاں کبھی واپس نہیں آئے گا اور اب رہا مصعب کا مسئلہ تو اُس کے متعلق بھی ہمیں کوئی نشوونما نہیں۔ تمہارے جیسے ہوشیار آدمی کے لیے اسے چند مہینے مانا مشکل نہیں ہوگا، اور میرا خیال ہے کہ تم اسے یہ بھی سمجھا سکو گے کہ اگر وہ ابوالحسن کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے حکومت کے ساتھ کامل وفاداری کا ثبوت دینا پڑے گا۔ جو لوگ اپنے مفاد پر قوم کی آزادی قربان کر سکتے ہیں، انہیں کہتے ہیں دم تک خود فریبی میں مبتلا رکھا جاسکتا ہے اور اب تمہیں رات کے وقت پہاڑی علاقے میں ہماری راہنمائی کے لیے فوری طور پر کبھی ہوشیار آدمی کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔“

حادث نے جواب دیا ”جناب! اس قلعے میں ابو عامر سے زیادہ قابل اعتماد کوئی نہیں۔ وہ سلطان ابوعبداللہ کا ملازم بھی تھا اور اُن کے خلاف جاسوسی بھی کرتا تھا۔ وہ ہر راستے سے واقف ہے لیکن مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ شاید مصعب شام تک اپنے گھر بیٹھ کر ابوالحسن کا انتظار کرنے کی بجائے یہاں پہنچ جائے! اس لیے اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے سفر کے انتظامات سے فارغ ہوتے ہی اُس کے پاس چلا جاؤں اور اسے کچھ دیر باتوں میں مصروف رکھوں۔“

”ڈان لونی نے جواب دیا۔“ اگر تمہیں اس میں کوئی فائدہ نظر آتا ہے تو میں

اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد روانہ ہو جائیں گے۔

”جناب! اس میں یہ فائدہ ہو گا کہ آپ مصعب کے ساتھ ایک غیر ضروری طقات سے بچ جائیں گے اور اس کے علاوہ اسے مجھ پر یہ شک نہیں ہو گا کہ ابو الحسن کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آپ کے فیصلے میں میرا بھی کوئی دخل ہے۔ میری انتہائی کوشش یہی ہو گی کہ مصعب صبح تک یہاں نہ آئے، لیکن اگر میں اسے ٹال نہ سکا اور وہ بعد ہو کر میرے ساتھ آ ہی گیا تو اسے بوقت بنانے کے لیے پہرے داروں کا یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ آپ نے اچانک کوچ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور ابو الحسن کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔“

تم بہت دھمکی سوچتے ہو لیکن اب وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کمین مصعب ہماری روانگی سے پہلے یہاں نہ پہنچ جائے۔“

دس منٹ بعد حادث گھوڑے پر سوار ہو کر مصعب کی قیام گاہ کا رخ کر رہا تھا۔

سعاد کی بے چارگی

پچھلے پہر سعاد بالائی منزل کی چھت پر کھڑی تھرائی ہوئی آنکھوں سے اُن پہاڑیوں کی طرف دیکھ رہی تھی جو دو وادیوں کے درمیان حد فاصل کا کام دیتی تھیں۔ اُسے دن بھر کے واقعات ایک خواب محسوس ہو رہے تھے۔ اُس کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ سے پسا جا رہا تھا تاہم مصعب اور اس کی بیوی کی توقع کے خلاف اُس نے انتہائی صبر اور حوصلے سے کام لیا تھا۔

مصعب اس کی دلجوئی کے لیے دن میں کئی بار حادث کے پاس جانے کا ارادہ ظاہر کر چکا تھا لیکن وہ ہر بار اسے یہ کہہ کر روک دیتی تھی ”نہیں خالو جان! ابو الحسن نے آپ کو تاکید کی تھی کہ آپ اس کا پیچھا نہ کریں۔ اب تو اسے صرف آپ کی وعادوں کی ضرورت ہے۔ اگر اس کی گرفتاری کا تعلق ابوالقاسم کے قتل سے ہے تو وہاں جا کر آپ کو مزید پریشانیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔“

اور پھر جب شام کے سائے مشرق کی طرف پھیلنے لگے تو اچانک مصعب اور اس کی بیوی چھت پر نمودار ہوئے۔ خالہ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے چمٹا لیا اور مصعب مسخوم لہجے میں کہنے لگا ”بیٹی! اب شام ہونے والی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہاں سے ہو آؤں کم از کم ہمیں یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ

وہ ابوالحسن کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں ؟

”نہیں !“ سعاد نے مضطرب ہو کر کہا ” وہاں جا کر آپ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ دشمن کے نزدیک ابوالحسن کا جرم یہی نہیں کہ اس نے ابوالقاسم کو قتل ہوتے دیکھ لیا تھا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑا جرم یہ ہے کہ اُس کے ہاتھوں چند نصرانی زخمی اور ہلک ہو چکے ہیں اور یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ آپ اُن کے پاس جا کر ابوالحسن کی صفائی پیش کر سکیں۔ اس نے تاکید کی تھی کہ آپ اس کا پیچھا نہ کریں، آپ کو کوئی قدم اٹھانے سے پہلے مناسب حالات کا انتظار کرنا چاہیے اور اگر واقعی اُس پر کوئی مصیبت آچکی ہے تو اس وقت آپ اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔“

مصعب بے بسی کی حالت میں سعاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک اُس کی بیوی نے پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”وہ آ رہا ہے۔“ سعاد نے پہاڑی کی طرف نظر دوڑائی۔ ایک سواری پہلی جھلک دیکھتے ہی اُس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو گئے۔ وہ پھر اپنی خالہ سے لپٹ گئی اور سسکیاں لینے لگی۔

مصعب کچھ دیر دم بخود ہو کر سواری کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ ڈوبتی آواز میں کہہ رہا تھا ”خدا کرے یہ وہی ہو، لیکن..... مجھے تو یہ حادثہ معلوم ہوتا ہے میں نہ سمجھتا ہوں۔“

سعاد تڑپ کر ایک طرف ہٹی اور اپنے آنسوؤں کو منہ پر کھینچ کر سواری کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اچانک اس کی نگاہوں کے سامنے تاریکی چھا گئی۔ اور وہ دل پر ہاتھ نہک کر فرس پڑ بیٹھ گئی۔ چند لمحات کے لیے اسے ایسا محسوس ہوتا رہا کہ اُس کا دم ٹھٹ رہا ہے اور مصعب اور اُس کی بیوی کہیں دُور سے اُسے آوازیں دے

رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو چکی تھی ؟



جب اسے ہوش آیا تو وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ کمرے کے اندر چراغ جل رہا تھا۔ عمر سیدہ طیب، سعیدہ اور مصعب اُس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک خادمہ دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ سعاد چند ثانیے نیم خرابی کی حالت میں ان کی طرف دیکھتی رہی پھر اچانک اس کا سارا وجود تڑپ اٹھا اور اس نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں۔

طیب اس کا ہاتھ پکڑ کر چند ثانیے نبض ٹٹو رہا۔ پھر اس نے اپنے تھیلے سے ایک شیشی نکال کر تپائی پر رکھ دی اور مصعب کی طرف دیکھنے لگا : ”تھکر کی کوئی بات نہیں۔ ان کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ یہ دوا اپنے کے بعد ٹھیک ہو جائیں گی۔“

سعاد کے بچنے ہوئے ہونٹ لرز رہے لگے اور چند دہائی سسکیوں کے بعد آنکھیں کھول دیں۔

سعیدہ نے جھج کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”بیٹی ! تمہاری طبیعت کیسی ہے ؟“

وہ کچھ دیر بے بسی کی حالت میں اپنے تیمار داروں کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک اٹھ کر بیٹھ گئی۔ طیب نے تپائی سے شیشی اٹھا کر کچھ دوا ایک پیالی میں ڈالی اور مصعب سے مخاطب ہو کر کہا ”اس دفت باتیں کرنا ٹھیک نہیں لیجیے ! اس دوا سے ان کی بے چینی بھی دُور ہو جائے گی۔“

مصعب نے پیالی سے کچھ دوا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”لو بیٹی !“

سعاد نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا "حادث یہاں آیا تھا؟"
 "ہاں بیٹی! وہ آیا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ ہمیں تسلی دینا چاہتا تھا۔ یہ دوا
 پی لڑ بیٹی! پھر جب تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو ہم اطمینان سے
 باتیں کریں گے۔"

سعاد کی آنکھیں اچانک آنسوؤں سے لبرید ہو گئیں اور اس نے اپنا
 چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

سیدہ نے کہا "بیٹی! ہمت سے کام لو۔"
 "خالہ جان!" اس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے
 ہوئے کہا "مجھے خواب آدہ دوا کی ضرورت نہیں۔ اب مجھے خوش نہیں آئے
 گا۔ اگر حادث کوئی خبر لے کر آیا تھا تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔ اگر وہ واپس
 نہیں چلا گیا تو خدا کے لیے اسے یہیں بٹلایے۔"

"بیٹی! وہ جا چکا ہے۔ اد اب ایک پہر رات گزر چکی ہے۔"
 سعاد نے مصعب کے ہاتھ سے پیالی پھونک کر بوتلوں سے لگائی اور دوا
 پی کر طبیب سے مخاطب ہوئی "آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ میں کتنی دیر اور سوتی
 رہوں گی؟"

"بیٹی! تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"
 "آرام؟" اس نے اپنے ذہنی کرب کو ایک مغموم مسکراہٹ میں چھپاتے
 ہوئے کہا "کاش! آپ کوئی ایسی دوا دے سکتے جو مجھے عمر بھر سلا سکتی۔"
 پھر وہ ہنسی پر سر رکھ کر مصعب اور اس کی بیوی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے دل میں
 کتنی سوال تھے لیکن ان کے چہرے دیکھ کر اسے کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔
 مصعب نے کہا "بیٹی! حادث کتنا تھا کہ ابو الحسن کو کوئی خطرہ

نہیں۔ نصرانی اسراف سے زیادہ عرصہ اپنے پاس نہیں ٹھہرائیں گے۔ میں
 بذات خود ان کے پاس چلا جاتا۔ لیکن مجھے تمہارے متعلق تشویش تھی۔ اب
 میں علی الصباح وہاں جاؤں گا۔۔۔۔۔۔ جی ممکن ہے کہ صبح ہوتے ہی ابو الحسن
 واپس آجائے!"

سعاد نے کہا "خالہ جان! مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔
 نصرانیوں کا قید خانہ اس کی آخری منزل نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نے حادث کو یہ
 بتا دیا تھا کہ آپ میری وجہ سے پریشان ہیں؟"

"بیٹی! اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ ہم کس قدر پریشان
 ہیں۔ میں ملاقات کے دوران دو مرتبہ تمہیں دیکھنے آیا تھا۔ اس نے
 میرے اضطراب کی وجہ پوچھی تو مجھے بتانا پڑا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔
 اسے اس بات کا بہت ملال تھا کہ تمہیں شادی کے دن اپنے شوہر سے
 جدا ہونا پڑا اور وہ بار بار تسلی دیتا تھا کہ ابو الحسن کا بال بیکا نہیں ہوگا۔ ڈان لوئی
 صرف اس کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حادث اس کی مدد کرے گا۔"
 طبیب نے کہا "دیکھئے! انہیں آرام کرنے دیجیے۔ اس وقت
 باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔"

مصعب نے اٹھ کر کہا "چلیے میں آپ کو مہمان خانے تک پہنچا
 آؤں! باقی رات آپ گھر جانے کی بجائے یہیں رہیں تو بہتر ہوگا۔"
 طبیب اٹھ کر مصعب کے ساتھ چل پڑا۔ سعاد کچھ دیر سیدہ کی طرف
 دیکھتی رہی اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

طبیب نے رگ کر سعاد سے کہا "بیٹی! میرا خیال ہے کہ تمہیں
 سونے سے پہلے کچھ کھا لینا چاہیے!"

”نہیں!“ سعاد نے جواب دیا ”مجھے بھوک نہیں“

”بیٹی! اگر کھانے کو جی نہیں چاہتا تو تھوڑا سا دودھ پی لو“

”اس وقت مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں“

طیب مصعب کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

سعیدہ نے خادمہ سے کہا ”اب تمہیں بھی آرام کرنا چاہیے“

خادمہ ساتھ والے کمرے میں چلی گئی اور سعاد کچھ دیر خاموشی سے اپنی خالہ

کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا ”خالہ جان! میں نے آپ کو بہت پریشان

کیا ہوگا، لیکن اب آپ بھی آرام کریں“

سعیدہ نے کہا ”بیسیٹی! جب تمہیں نیند آجائے گی تو میں چلی جاؤں

گی۔ میں اس بات سے بے حد پریشان تھی کہ جب تم ہوش میں آکر ابو الحسن کے

متعلق پوچھو گی تو میں تمہیں کس طرح تسلی دے سکوں گی۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ

اس نے تمہیں اس قدر صبر اور حوصلہ دیا ہے“

سعاد نے جواب دیا ”میں بہت کمزور ہوں خالہ جان! اگر مجھے ابو الحسن

کے متعلق کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے چہرے

پر میرے ہر سوال کا جواب لکھا ہوا ہے۔ میں اس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی

تھی کہ میں نے جو کچھ دیکھا، وہ ایک خواب تھا اور اب میں یہ سوچتی ہوں کہ جب

قوم کا سفینہ ڈوب جاتا ہے تو سمندر کی لہروں میں غوطے کھانے والے مسافر

زیادہ دیر تنکوں کا سہارا نہیں لیتے۔ اگر حادثہ یہ خبر لے کر آیا تھا کہ اب ابو الحسن

واپس نہیں آسکتا تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں دہائی

نہیں دوں گی“

”بیسیٹی! اگر حادثہ ہمارا دشمن ہوتا تو اسے جھوٹی تسلیاں دینے کے

یہ یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے خاؤ سے اس

نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ انشاء اللہ ابو الحسن بہت جلد واپس آجائے گا اور

تم یہ محسوس کرو گی کہ تم نے ایک بھیا تک خواب ہی دیکھا تھا“

سعاد چند ثانیے سیدہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے تھکی ہوئی آواز

میں کہا ”خالہ جان! بار بار حادثہ کا ذکر نہ کیجیے! میں اس سے کسی بھلائی کی امید

نہیں رکھتی۔ اگر اسے ابو الحسن سے کوئی ہمدردی ہو تو بھی وہ اس کی کوئی مدد نہیں

کر سکتا۔ جب مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ سلطان کے قافلے کے ساتھ جا رہا

ہے تو مجھے اس خیال سے بھی ایک راحت محسوس ہوتی تھی کہ میرے سارے

خواب اسی کے متعلق ہوا کریں گے، لیکن اب مجھے مستقبل کے سپنوں کے تصور

سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ خالہ جان! میرے لیے یہ دعا کیجیے کہ

صبح کی روشنی میں جب میری آنکھ کھلے تو مجھے رات کے بھیا تک پہنچنے یا دہی

نہ آئیں!“

اس نے کر وٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دیر آہستہ آہستہ رسیکیاں

لینے کے بعد سو گئی۔



اگلے روز طلوع آفتاب کے دو گھنٹے بعد مصعب حادثہ سے ملاقات

کے بعد گھر واپس آتے ہی سعاد کے کمرے میں داخل ہوا، مگر وہ اپنے بستر

پر نہیں تھی۔ اس نے اپنی بیوی کا کمرہ دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

”سعیدہ! سعیدہ!!“ وہ اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا۔

”آپ آگئے! سعیدہ نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں! میں آگیا ہوں لیکن سعاد کہاں ہے؟“

”وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے؟“

”نہیں!“

خادمہ نے دروازہ جھانکتے ہوئے کہا: ”جناب! وہ چھت پر چلی گئی ہیں اب وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میں نے انھیں ناشتا کھلا دیا تھا۔“

سعیدہ نے برم ہو کر کہا: ”تم نے مجھے کیوں نہ جگایا؟“

”میں آپ کو جگانا چاہتی تھی، مگر انھوں نے منع کر دیا تھا۔ وہ کہتی تھیں کہ خالد جان کو آرام کی ضرورت ہے اور میں تھوڑی دیر تازہ ہوا میں سانس لینا چاہتی ہوں۔ آپ کے لیے ناشتا لے آؤں؟“

”ہاں! لے آؤ!“

خادمہ کے جانے کے بعد سعیدہ چند ثانیے خاموشی سے مصعب کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے کہا: ”میرا خیال تھا آپ ابو الحسن کو لے کر آئیں گے!“

مصعب نے نہ حال ہو کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا: ”سعیدہ! کاش ابو الحسن کو واپس لانا میرے بس میں ہوتا۔ نصرانی اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ رات جب حادثہ ہوا پس پینچا تھا تو وہ جا چکے تھے۔ شاید انھیں یہ خطرہ تھا کہ حادثہ اس کی طرف ہی کرے گا۔ وہ اُس کے لیے یہ پیغام چھوڑ گئے ہیں کہ ہمیں گورنر کی طرف سے فوراً واپسی کا حکم ملا ہے اور اپنی تحقیقات مکمل کرنے کے لیے ابو الحسن کو ساتھ لے جا رہے ہیں۔“ حادثہ اب بھی مجھے بار بار یہی تسلی دیتا تھا کہ انشاء اللہ ابو الحسن کا ہال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ نصرانی الفجارہ میں بے چینی پھیلائے گا خطرہ مول نہیں لے سکتے، لیکن میں مطمئن نہیں ہوں۔ میں سارا راستہ

یہ سوچتا آیا ہوں کہ میں سعاد کو کیا جواب دوں گا۔ مجھے یہ اُمید تھی کہ وہ اتنی جلدی سنبھل جائے گی۔ طبیب کہتا تھا کہ اگر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تو اس کی صحت پر بڑا اثر پڑے گا۔“

سعاد دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی اور مصعب اور اس کی بیوی پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ”خالوجان!“ اس نے چند ثانیے توقف کے بعد کہا: ”میں نے خواب سے بیدار ہوتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ مجھے ابو الحسن کا انتظار کرنے کے لیے زندہ رہنا چاہیے۔ اگر وہ ہمارے لیے جان دے چکا ہے تو میں اس کے خون ناحق کا انتقام لینے کے لیے زندہ رہوں گی اور اُس دن کا انتظار کروں گی جب میرے کمزور ہاتھ دشمن کی شاہرگ تک پہنچ سکیں گے!“

مصعب نے بھرتی ہوئی آواز میں کہا: ”بیٹی! حادثہ نے ابو الحسن کی اعانت کا وعدہ کیا ہے۔ اگر وہ اسے واپس نہ لاسکا تو میں بذات خود عسکرِ ظالم جاؤں گا۔ میں آج ہی چلا جاتا، لیکن حادثہ کہتا تھا کہ مجھے چند دن انتظار کرنا چاہیے: ”آپ غائب ہوا تو اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ سعاد بولی: ”اگر حادثہ کو ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی ہوتی تو وہ ابو الحسن کی گرفتاری کے لیے مسلح آدمی لے کر ہمارے گھر نہ آتا۔ وہ دوسری مرتبہ آپ کے پاس صرف ٹوہ پینے آیا تھا کہ ابو الحسن کی گرفتاری سے الفجارہ میں کیسے مسائل پیدا ہوں گے۔ غدار بدستے ہوئے حالات میں اپنے لبادے تبدیل کر سکتے ہیں لیکن ان کی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔“ خالوجان! میرا مطلب یہ نہیں کہ آپ فوراً حادثہ سے اُلجھ پڑیں۔ میں یہ جانتی ہوں کہ موجودہ حالات میں اس کی کھلی دشمنی آپ کے لیے کتنے خطرات پیدا کر سکتی ہے۔“

”بیٹی! میں ابوالحسن کو قید سے چھڑانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں“

”خالو جان! یہاں سے رخصت ہوتے وقت ابوالحسن کو ہوش کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ نصرانی افسر نے اسے کیوں بلایا ہے اس کے الوداعی الفاظ میرے دل پر نقش ہیں۔ اس وقت مجھے اس کی گفتگو عجیب معلوم ہوتی تھی لیکن اب میں کچھ سکتی ہوں کہ وہ کون سا جذبہ تھا جس نے اس کو اپنی زندگی اور موت سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اب بھی میں کسی زمین و آسمانیت کا سوا سے اس کی روح کی چیخیں سن سکتی ہوں۔ خالو جان! وہ یہ کہہ رہا ہے ”سادا میری وجہ سے اس گھر پر مصیبت نہیں آنی چاہیے۔ اپنی خالہ اور خالو سے کہو کہ وہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور میرے مصائب میں حصے دار بننے کی کوشش نہ کریں۔ میں اپنے حصے کا بوجھ خود اٹھا سکتا ہوں۔ میں اس امید پر زندہ رہوں گا کہ کسی دن میری قوم اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ کسی دن الفجارہ کے مجاہد میرے قید خانے کا دروازہ توڑ ڈالیں گے کسی دن میرے ترک اور بر بھائی طارق کی روایات کے امین بن کر آئیں گے اور مجھے یہ پیغام دیں گے کہ تم آزاد ہو۔“ غرناطہ میں تمہارا گھر اُڑ چکا ہے لیکن الفجارہ میں تمہاری راہ دیکھنے والے موجود ہیں“

مصعب کچھ دیر سر پکڑ کر سوچتا رہا۔ پھر اس نے سعاد کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا ”بیٹھ جاؤ بیٹی! میں تم سے کچھ کتنا چاہتا ہوں“

سادا اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

”سادا! مصعب نے بھرتی ہوئی آواز میں کہا ”بیٹی! ہم کہتے بے بس ہیں۔ میں اپنے دل کو یہ فریب دیا کرتا تھا کہ نصرانی صلح کے معاہدے

کی پابندی کریں گے، لیکن حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آقاؤں اور غلاموں کے درمیان کوئی معاہدہ پائیدار نہیں ہوتا۔ ہماری بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ ابوالقاسم قتل ہو چکے ہیں۔ تمہارا شوہر گرفتار ہو چکا ہے اور ہمیں کسی کے سانس قانون کا نام لیتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ ہماری زندگی کا ہر نیا دن پچھلے دن سے زیادہ صبر آزما ہوگا۔ اس کے باوجود میں اس امید پر زندہ رہنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی بارگاہ میں تمہاری دعائیں مانگاں نہیں جائیں گی۔ یہ رات گزر جائے گی۔ ابوالحسن اچانک تمہارے دروازے پر دستک دے گا اور تم اسے دیکھ کر یہ محسوس کرو گی کہ ہفتوں، مہینوں یا برسوں کی تاریک رات صرف ایک خواب تھی۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ میں اس وقت کا انتظار نہ کر سکوں۔ اس لیے میں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ جب ابوالحسن واپس آجائے تو تمہیں ایک دن کے لیے بھی یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ اُس غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہیے جو مجھے سرزد ہوئی تھی۔ افریقہ پہنچ کر تم یہ محسوس کر دو گی کہ وہاں تمہارے لیے ایک معمولی جھوٹا بھائی اس قلعے کی نسبت زیادہ آرام دہ ہے۔ تمہیں یہاں رہ کر اس آندھی کا انتظار نہیں کرنا چاہیے جس کے آثار دیکھ کر ہم نے غرناطہ سے ہجرت کی تھی۔ ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، لیکن تمہیں ہمارے گناہوں کی سزا نہیں ملنی چاہیے“

سادا بظاہر بڑے انہماک سے گفتگو سن رہی تھی لیکن اس کے خیالات کہیں دُور جا چکے تھے۔ وہ تصور میں الحمر کا طواف کر رہی تھی۔

ابوالحسن کے قید خانے کے دروازے توڑ رہی تھی۔ اس کی رفاقت میں جہاز پر سوار ہو رہی تھی اور ساحل بربر سے آگے نئی دوق صحراؤں اور غمناکوں

کے مناظر دیکھ رہی تھی۔

”بی بی! مصعب نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا ”میری آخری غلطی یہ تھی کہ چند دن قبل تک تمہارے مستقبل کے متعلق میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ میں نے ابو العاصم کی موت کی خبر سننے سے قبل دشمن کے آئندہ عزائم کے متعلق کبھی نہ سوچا۔ لیکن اب اگر اللہ کی بارگاہ میں تمہاری عنائیں مستجاب ہوں اور ابو الحسن واپس آجائے تو مجھ سے وعدہ کرو کہ سمندر عبور کرنے سے پہلے اہلیانِ کائنات میں لوگی۔“

”خالو جان! آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتی، لیکن میں بھی آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ اس کی آمد سے قبل آپ مجھے یہ گھر چھوڑنے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ میں آخر دم تک اس کا انتظار کروں گی۔ میں ہر صبح اس کے لیے یہ دعا کروں گی کہ وہ شام سے پہلے یہاں پہنچ جائے اور سرشام قلعے کی ڈیوڑھی کے برج میں اس کے لیے چراغ جلایا کروں گی تاکہ رات کی تاریکی میں اپنی منزل دیکھ سکے۔ پھر جب میری امیدوں کے چراغ کچھ جا نہیں گئے تو میں زندہ رہنا پسند نہیں کروں گی۔ اگر بیچارگی کی موت ہی میرا مقدر ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجھے کس جگہ دفن کیا جاتا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔“

اسیر

ابو الحسن حراست کے تیسرے روز رات کے وقت مسلح سواروں کے تنگ گھیرے میں غزنات کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک سوار نے آگے بڑھ کر پہرے داروں کو آواز دی۔ انہوں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور شہر کا کوئٹال اور دروازے کے محافظ دستے کا افسر جنہیں دو گھنٹے قبل ڈھان لونی اور اس کے ساتھیوں کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی، ڈیوڑھی سے باہر نکل آئے۔ ڈھان لونی نے ہاتھ کے اشارے سے اُن کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کوئٹال سے مخاطب ہو کر کہا ”آپ قیدی کو قید خانے میں لے جائیں اور واروعد کو میری طرف سے تاکید کریں کہ اسے دوسرے قیدیوں بالخصوص غزنات کے مسلمان قیدیوں سے بالکل علیحدہ رکھا جائے۔ ممکن ہے کہ اسے کوئی ایسی بات معلوم ہو جس کا انکشاف حکومت کے لیے پریشانی کا باعث ہو۔ گورنر سے میری ملاقات کے بعد اس کے متعلق کوئی فیصلہ ہوگا۔ ممکن ہے وہ اسے غزنات سے کہیں دور بھیجنے کا فیصلہ کریں تاہم پہرے داروں کو اس کے متعلق بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔“

اگر ابو الحسن ڈھان لونی کی یہ گفتگو نہ سنا تو بھی اُسے اپنے مستقبل کے متعلق

کوئی خوش فہمی نہ ہوتی۔ گرفتار ہونے سے اب تک اُس کے سامنے ایک ہی مسئلہ تھا کہ — جنہیں بچانے کے لیے وہ ہر مصیبت برداشت کرنے کے لیے تیار ہے، وہ کس حد تک محفوظ ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ قید خانے کی ایک تاریک کوٹھڑی میں پڑا اپنے حال اور مستقبل کے متعلق سوچ رہا تھا۔ دیر تک بے چینی کی حالت میں گردش لینے کے بعد اس کے دل میں قید سے فرار کا خیال آیا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ غرناطہ میرا گھر ہے۔ یہاں اب بھی ہزاروں لوگ موجود ہیں جو مجھے پناہ دے سکتے ہیں۔ اگر میں قید خانے سے نکل کر چند دن کسی جگہ چھپ کر رہ سکوں تو ممکن ہے کہ کسی دن انصار پھنچے کا موقع مل جائے — لیکن پھر اچانک ایک اور خیال آیا اور اس کے دل کی دھڑکنیں دگ گئیں۔ "نہیں! نہیں!! سعاد!" وہ اپنے دل سے کہہ رہا تھا۔ "انصارہ میں تمہارے گھر کی سلامتی کے لیے میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔ میرے فرار ہوتے ہی نصرانی تمہارے گھر کے ہر راستے پر پہنچا دیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ تمہارے گھر کی تلاشی لے چکے ہوں اور میری طرح تم سب کو کسی قید خانے میں پہنچا دیا گیا ہو۔ نہیں سعاد! میں تمہیں اپنے مصائب میں حصہ دار نہیں بناؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا، اور اگر میرا مقدر یہی ہے کہ نصرانیوں کے قید خانوں میں گنتا کی موت مر جاؤں، تو بھی میں تمہارے سر کا ایک ایک بال اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی سمجھوں گا۔" وہ دوبارہ لیٹ گیا اور کچھ دیر آہستہ آہستہ سعاد کا نام دہرانے کے بعد اسے نیند آ گئی۔

پانچ دن اور گزر گئے — پھر ایک صبح کو ٹھٹھی کا دروازہ کھلا اور پہرے داروں کے ساتھ دو آہن گر رائل ہوئے اور انھوں نے ابو الحسن

کو فرش پر لٹا کر اس کے گلے میں آہنی طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ڈان لوئی اور داروغہ کے سامنے ایک کٹادہ کرے میں کھڑا تھا۔

داروغہ نے کہا "ہم نے ڈان لوئی کے حکم پر تم سے یہ رعایت کی ہے کہ تمہارا ماتھا نہیں داغا۔ وہ اپنے غلاموں کی شکل مسخ کرنا پسند نہیں کرتے۔ ان کا تم پر یہ احسان بھی ہے کہ تم موت کی سزا سے بچ گئے ہو۔ ورنہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی مسلمان نے ہمارے سپاہیوں کو قتل کیا ہو اور اس کو کسی چور اسے پر پھانسی نہ دی گئی ہو"

ڈان لوئی نے کہا "مجھے تمہاری جوانی پر رحم آ گیا تھا اور میں نے بڑی مشکل سے گور کو قائل کیا ہے کہ تم نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے تلوار اٹھائی تھی۔" انھوں نے تمہیں میرے سپرد کر دیا ہے اور میں تمہاری طرف سے اس بات کا پورا اطمینان چاہتا ہوں کہ تم بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

ابو الحسن نے جواب دیا "میرے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں آہنی طوق دیکھ کر آپ کو یہ اطمینان ہو جانا چاہیے کہ میں بھاگنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔"

ڈان لوئی لولا "یہ احتیاط اس لیے کی گئی ہے کہ غرناطہ سے باہر ترمنازہ ہوا میں سانس لینے کے بعد اچانک تمہاری نیت نہ بدل جائے۔ میں یہاں سے چند اور قیدیوں کے ساتھ تمہیں اپنی جاگیر میں کام کرنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ کل میری جاگیر کا منتظم یہاں پہنچ جائے گا اور اگلے دن تمہیں اس کے ساتھ روانہ کر دیا جائے گا۔ اگر تم اچھا کام کرو گے تو تم پر کوئی سختی نہیں

ہوگی اور جب ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ تم بھاگنے کی کوشش نہیں کر دے تو تمہارا طوق اور بیڑیاں بھی اتار دی جائیں گی۔ پھر پانچ سال بعد تمہاری کارگزاری کا جائزہ لیا جائے گا۔ اگر تم نے میری خواہشات کے مطابق کام کیا تو میں تمہیں آزاد کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔

تھوڑی دیر کے لیے وہ رکا۔ اس نے ابو الحسن کے چہرے کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر کہنے لگا "مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تم شادی کے دن اپنی بیوی سے جدا ہوئے لیکن جب حالات سازگار ہوں گے تو میں یہ کوشش کروں گا کہ اسے بھی تمہارے پاس بلا لیا جائے لیکن فی الحال اسے زیادہ سے زیادہ یہ اطلاع دی جا سکتی ہے کہ تم زندہ ہو اور اس سے دوبارہ ملنے کی امید پر زندہ رہنا چاہتے ہو۔"

ابو الحسن نے اچانک محسوس کیا کہ اس کے سینے پر آگ کے انگارے رکھ دیے گئے ہیں۔ تاہم اس نے اپنا غم و غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا: "میں آپ کا شکر گزار ہوں، مگر جس خاتون کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی، وہ شاید ایک غلام کی بیوی کہلانا پسند نہ کرے۔"

ڈان لونی نے جواب دیا "وقت کے ساتھ ساتھ انسانوں کے خیالات بھی بدل جاتے ہیں، اب تمہارے ماضی کے پرانے خوابوں کا اندس ختم ہو چکا ہے اور ہم اس کے کھنڈروں پر اپنے مستقبل کا ہسپانہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ چند سال بعد جب تم اپنے گرد پیش کا جائزہ لو گے تو تم یہ محسوس بھی نہیں کرو گے کہ اندس کے ماضی کے ساتھ تمہارا کوئی رشتہ بھی تھا اور یہی بات میں اس لڑکی کے متعلق بھی کہہ سکتا ہوں جو اپنا مستقبل تمہارے ساتھ وابستہ کر چکی ہے۔"

ابو الحسن کچھ دیر خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا۔ بالآخر قید خانے کے داروغہ نے کہا "نوجوان! تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ ڈان لونی نے تمہاری جان بچائی ہے؟"

ابو الحسن کی خاموشی پر ڈان لونی نے کہا "اسے یہ سمجھنے میں ابھی کافی دن لگیں گے کہ میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔ اب یہ دو یا تین دن آپ کے پاس رہے گا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ذاتی طور پر اس کے آرام کا خیال رکھیں؟"

ابو عامر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا "جناب! میرے لیے کیا حکم ہے؟ میں قیدی کو یہاں پہنچاتے ہی واپس جانا چاہتا تھا، لیکن آپ سے اجازت نہیں لی تھی۔"

ڈان لونی نے جواب دیا "میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی ہنسی بے چلوں اور اگر تمہیں برا علاقہ پسند آجائے تو تم وہیں آباد ہو جاؤ۔ مجھے گھر، بلو کام کاج اور غلاموں کی دیکھ بھال کے لیے اچھے لوگوں اور ہوشیار جاسوسوں کی ضرورت ہے۔"

لیکن جناب! ابو عامر نے مضطرب ہو کر کہا "میری بیوی سچے ہیں اور میں ان سے مل کر بھی نہیں آیا۔ میرے آٹانے اچانک یہ حکم دیا تھا کہ میں غرناہ تک آپ کی رفاقت میں سفر کرنے پر تیار ہو جاؤں۔" "حادثہ کو یہ اطلاع مل جائے گی کہ میں نے تمہیں روک لیا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ تم میرے پاس رہو اور جب تمہیں یہ اطمینان ہو جائے کہ میں کام کے آدمیوں کو تمہارے آٹانے کی نسبت زیادہ صلہ دے

سکتا ہوں تو واپس جا کر اپنے بیوی بچوں کو لے آنا اور میری جاگیر میں آباد ہو جانا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی دن تم میرے غلاموں کے نگہبان بن کر نئی دنیا جاؤ اور وہاں میری جاگیر آباد کرو اور چند سال میں ایک دولت مند آدمی بن کر واپس آؤ۔ ہو سکتا ہے کہ نئے ملک کو تم ہسپانیہ سے زیادہ پسند کرو۔ وہاں کسی گورنر یا جاگیر دار کے کارندے کو زمین کا مالک بننے دیر نہیں لگتی۔

ابو عامر نے کہا: "جناب! میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا۔ میں بلنسیہ تک ابو الحسن کے ساتھ چلوں گا۔ لیکن اس بات کا فیصلہ میں اپنے گھر واپس جا کر ہی کر سکتا ہوں کہ ہمیں کہاں آباد ہونا چاہیے۔"

"بہت اچھا" میں دو ماہ تک وہاں پہنچوں گا اور تمہیں معقول معاوضہ دے کر رخصت کیا جائے گا۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ تمہیں واپسی پر کوئی جہاز مل جائے اور تم بالآخر تک آرام سے سفر کرو۔ میں نے برنیزڈ کو یہ حکم دے دیا ہے کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ میں نے سنا تھا کہ تم ایک باورچی بھی ہو۔ میری بیوی کو جنوب کے کھانے بہت پسند ہیں۔ اگر تم ایک اچھے باورچی ثابت ہوئے تو تمہیں زیادہ معاوضہ ملے گا۔ فرصت کے اوقات میں تم میرے غلاموں سے میل جول رکھو گے اور اگر تمہیں یہ معلوم ہو کہ کوئی غلام بھاگنا چاہتا ہے تو برنیزڈ کو خبردار کر دو گے۔ اور دیکھو اگر بلنسیہ میں قیام کے دوران تم نے ابو الحسن کو ہمارا پُر امن غلام رہنے پر رضا مند کر لیا تو یہ بھی ایک خدمت ہوگی۔ تمہیں اس سے بلا روک ٹوک ملنے کی اجازت ہوگی۔ میں نے اسے دیکھتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ نئی دنیا میں میرے لیے وہ ایک کارآمد آدمی بن سکتا ہے۔"

"جناب! میں دل دہان سے آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔" ابو عامر کمرے سے باہر نکل گیا تو ڈان لوئی قید خانے کے دروازے سے مخاطب ہوا: "میرا تجربہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف عیسائی جاسوسوں کی بجائے ان کے اپنے غداروں سے بہتر کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ آدمی بغداد میں ابو عبد اللہ کا ملازم اور ہمارا جاسوس تھا۔ ابو عبد اللہ افریقہ چلا گیا تو اس کی جاسوسی کا دائرہ پہلے کی نسبت وسیع ہو گیا۔ ابو الحسن کی گرفتاری اسی کی کارگزاری کا نتیجہ ہے۔ اگر ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تو یہ مسلمانوں کے جذبات ٹھنڈے رکھنے کے لیے بہت کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ کچھ عرصہ ہمارے پاس رہنے کے بعد یہ حکومت کا زیادہ وفادار بن کر جائے گا۔"



اور تیسرے دن آٹھ قیدی اور ان کے پانچ محافظ ڈان لوئی کی جاگیر کے منتظم برنیزڈ کی رہنمائی میں بلنسیہ کا رخ کر رہے تھے۔ برنیزڈ اور ابو عامر گھوڑوں پر سوار تھے اور انھیں آپس میں بے تکلفی سے باتیں کرتا دیکھ کر نصرانی سپاہیوں کو اس بات سے سخت تکلیف محسوس ہوتی تھی کہ ایک مسلمان اسے ایک معزز مہمان کا سا سلوک کیا جا رہا ہے۔ ابو الحسن کبھی کبھی اس کی طرف دیکھتا اور حقارت سے منہ دوسری طرف پھیر لیتا۔

قیدیوں کے محافظوں میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں بھاری کوڑا تھا اور اسے کبھی قیدی پر زور آزمائی کے لیے صرف کسی بہانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

ابوالحسن سے جدائی کے بعد سعادت کی زندگی کی اداس گھڑیاں دنوں اور
ہفتوں میں تبدیل ہو رہی تھیں اور ابوالحسن کی تصویر جو ابتدائی ایام میں ہر وقت
اس کی نگاہوں کے سامنے رہا کرتی تھی، بتدریج وقت کے دھندلوں میں گم
ہو رہی تھی تاہم وہ زندہ تھی اور زندہ رہنا چاہتی تھی۔

حادث کے متعلق اس کے شبہات یقین کی حد تک پہنچ چکے تھے
لیکن وہ مصعب کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی بجائے اس
بات پر زور دیا کرتی تھی کہ فی الحال آپ کو حادث کے ساتھ رسمی تعلقات
قائم رکھنے چاہئیں اور کسی بات سے اسے یہ تاثر دینے کی کوشش نہیں
کرنی چاہیے کہ آپ کو اس کی ریا کا علم ہے۔ حادث ہر دوسرے قسم کے
روز ان کے ہاں آتا اور انھیں ابوالحسن اور ابوالقاسم کے متعلق تسلی دینے
کی کوشش کرتا اور اگر وہ چند دن نہ آتا تو سعادت کے اصرار پر مصعب بذات خود
حادث کے پاس چلا جاتا۔

مصعب کے دوستانہ طرز عمل سے حادث کو یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ
ابوالحسن کی گرفتاری پر اس کے متعلق جو شکوک پیدا ہوئے تھے، وہ دور ہو چکے
ہیں، لیکن کبھی کبھی ابوالقاسم کے بارے میں اس کی خاموشی اسے پریشان
کر دیتی تھی چنانچہ وہ اس قسم کے سوالات پوچھا کرتا تھا "مصعب! تمہیں
ابوالقاسم کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی؟ وہ کب تشریف لائیں گے؟" اور
مصعب اسے ٹالنے کی کوشش کرتا "مجھے انھوں نے اپنی خیریت
کے متعلق بھی اطلاع نہیں دی۔ اگر وہ غرناطہ میں ہوتے تو ہماری خبر ضرور لیتے

میرے خیال میں انھیں کسی ضروری کام کے لیے طلیطلہ بلالیا گیا ہے اور یہ بھی
ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اہم مہم پر ملک سے باہر بھیج دیے گئے ہوں۔"
"ہاں بھائی! وہ بڑے آدمی ہیں اور غرناطہ کے گورنر کو بھی ان کی ضرورت
کا علم نہیں ہو سکتا لیکن میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ اس علاقے کے لوگ ان
کی طویل غیر حاضری کے متعلق کیا سوچتے ہوں گے۔ میرے خیال
میں اتنے بڑے آدمی کا اچانک لاپتہ ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ خدا کرے
میرا یہ خدشہ غلط ثابت ہو۔ لیکن کبھی کبھی مجھے یہ ڈر محسوس ہوتا ہے
کہ ابوالقاسم کو کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو؟"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آئے اور حکومت کو
خبر نہ ہو؟"

و بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ حکومت انھیں ظاہر کرنا پسند نہیں
کرتی۔ فرض کرو کہ وہ غرناطہ اور انفجارہ کے درمیان باغیوں کی کسی جماعت
کے ہتھے چڑھ گیا ہو اور کسی سر بھرے نئے اسے قتل کر دیا ہو۔
مصعب اچانک یہ محسوس کرتا کہ وہ اس کے لیے بھڑا تیار کر رہا ہے
اور وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا "خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کہو۔ یہ کیسے
ہو سکتا ہے کہ حکومت کے باغی ابوالقاسم کو قتل کر دیں اور حکومت کی فوج
اور پولیس حرکت میں نہ آئے۔ انفجارہ کے لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر
کسی باغی نے ابوالقاسم پر حملہ کیا تو انھیں کس تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"
حادث اور مصعب کے درمیان اس قسم کی گفتگو کئی بار ہو چکی تھی۔
حادث جب بھی اسے گریڈنے کے لیے ابوالقاسم کا ذکر چھیڑتا تو اس کا
مدافعا شور جاگ اٹھتا۔ چنانچہ حادث کا یہ یقین بخیرت ہو چکا تھا کہ وہ ابوالقاسم

کے انجام سے بے خبر ہے۔



ابوالحسن کی گرفتاری کے چھ ماہ بعد مصعب دوسری رقبہ پہنچ گیا تھا اور چند ہفتے قیام کے بعد واپس آئے ہی اس نے حادث کو بتایا کہ مجھے ابو الحسن کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ میں یہ بھی معلوم نہیں کر سکا کہ ڈان لوئی کہاں ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے گورنر تک رسائی حاصل کی تھی لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ ڈان لوئی پولیس کے ایک اہم عہدے پر فائز ہو چکا ہے اور ظیلطہ میں بادشاہ اور ملکہ کے علاوہ حکومت کے چند بڑے عہدے داروں کے سوا کسی کو اس کی خفیہ سرگرمیوں کا علم نہیں تاہم جب وہ دورے پر غرناطہ آئے گا تو میں ابو الحسن کے متعلق اس سے پوچھنے کی کوشش کروں گا۔ ابوالقاسم نے بھی ابھی تک اپنی بیوی کو کوئی اطلاع نہیں دی اور غرناطہ کا گورنر اس کے متعلق بھی یہی کہتا ہے کہ وہ کسی خفیہ مہم پر گیا ہوا ہے۔ میں ابوالقاسم کی بیوی کے اصرار پر ظیلطہ بھی گیا تھا لیکن بادشاہ اور ملکہ نے ملاقات کے لیے میری درخواست قبول نہیں کی۔

حادث نے پوچھا کہ تم نے اپنی درخواست میں یہ لکھا تھا کہ تم ابوالقاسم کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو؟

”ہاں! اور مجھے یہ جواب ملا تھا کہ تمہیں ابوالقاسم کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ کسی خفیہ مہم پر گیا ہوا ہے اور اپنا کام ختم کرتے ہی گھر پہنچ جائے گا۔“

حادث نے مطمئن ہو کر کہا ”اب کم از کم اُس کے متعلق تو تمہارے

خبرشات دور ہو جانے چاہئیں۔“
”مجھے اُن کے متعلق کوئی خبر نہیں۔ میں صرف ان کی بیوی کی وجوہی کے لیے وہاں گیا تھا، لیکن اب حالت یہ ہے کہ الفجارہ کے لوگ بھی اس کے متعلق طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔“
”کیسی باتیں؟“

”یہی کہ وہ کہاں ہے اور اُس نے اپنے متعلق کوئی اطلاع کیوں نہیں بھیجی؟ الفجارہ کے لوگوں کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ غرناطہ میں بھی نہیں ہے۔“

”تم ان سے کہہ سکتے ہو کہ فی الحال یہ ایک راز ہے لیکن جب وقت آئے گا تو تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ لوگ تمہیں ابوالحسن کے متعلق تو پریشان نہیں کرتے؟“

مصعب نے جواب دیا ”ابوالحسن کے متعلق آپ سعاد اور اس کی خالہ کے اضطراب کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ سے میں نے اس کے متعلق اس لیے کبھی نہیں پوچھا کہ اگر کوئی اچھی خبر ہوتی تو آپ ہمیں بتا دیتے، لیکن ہماری طرح آپ بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ وہ کسی قید خانے میں ہے اور اس کی رہائی یا موت ڈان لوئی کے ہاتھ میں ہے۔“

حادث نے کہا ”میں آپ کو پہلے بھی کئی بار یہ بتا چکا ہوں کہ ڈان لوئی اس کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کرے گا، لیکن اس کی رہائی کا انحصار اس بات پر ہو گا کہ حکومت اسے کس حد تک بے گناہ سمجھتی ہے۔“

”آپ غرناطہ کے ہر قید خانے تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور ہم صرف یہ جانا چاہتے ہیں کہ ابوالحسن کس حال میں ہے۔“

حادثے نے جواب دیا "آپ غرناطہ سے ہو آتے ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں۔ میرا خیال ہے کہ گورنر نے اسے خطرناک سمجھ کر قید خانے میں رکھنے کی بجائے غرناطہ سے باہر کسی قلعے میں بھیج دیا ہے اور ممکن ہے کہ ڈان لوئی کو بھی یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے؟ بہر صورت میں اپنے آپ کو کسی خطرے میں ڈالے بغیر اس کی تلاش جاری رکھوں گا؟"

ابو عامر کی بیوی دھوپ میں اونی درمی پڑی بیٹھی رہی کپڑا کاٹھ رہی تھی اس کا دوسرا بچہ اس کے قریب لیٹا ہوا تھا۔ اس کا نام عمارہ تھا اور اس کا سرخ و پیہ چہرہ کو ہستان کے جفاکش باشندوں کی تندستی اور توانائی کا آئینہ دار تھا۔ اچانک گاؤں کی ایک لڑکی عمارہ کے دوسرے لڑکے کو اٹھائے صحن میں داخل ہوئی اور اس نے کہا "ایک عورت آپ سے ملنے آئی ہے۔ خالد! وہ بہت خوبصورت ہے۔ میں نے پہلے اسے اس گاؤں میں نہیں دیکھا۔ وہ کسی بڑے گھر کی معلوم ہوتی ہے۔"

عمارہ نے کہا "بیٹی! وہ مونڈھا اٹھا کر یہاں رکھ دو!" لڑکی بچے کو نیچے اُتار کر مونڈھا اٹھا لائی۔

باہر سے کسی نے نیم وا دروازے سے دستک دیتے ہوئے کہا: "ہن عمارہ مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟"

عمارہ اٹھ کر لنگے پاؤں بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اور اجنبی عورت کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی اور اسے مونڈھے پر بٹھانے کے بعد اس کے قدموں میں چٹائی پڑھائی۔

نوادرد نے کہا "میں آپ سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں!" عمارہ نے گاؤں کی لڑکی کی طرف دیکھا تو وہ صحن سے باہر نکل گئی۔ اس نے اٹھ کر دروازے کو کھڑکی لگا دی اور واپس آکر مہمان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی "اب ہم اطمینان سے باتیں کر سکتی ہیں۔ آپ کہاں سے آئی ہیں؟" نووارد نے اپنے چہرے سے اور بھنی ذرا اُپر کرتے ہوئے کہا "میرا نام سعاد ہے۔ مصعب میرے خالو ہیں۔ میں اس لیے تمہارے پاس آئی ہوں کہ ابو عامر میرے شوہر کا دوست تھا۔ شاید اس نے آپ کے کبھی ابو الحسن کا ذکر کیا ہو؟"

مجھ سے اُس نے کبھی اس نام کے کسی دوست کا ذکر نہیں کیا۔ ویسے بھی وہ مجھ سے اپنے کسی دوست یا دشمن کا ذکر نہیں کرتا۔ سعاد نے قدرے توقف کے بعد کہا "میرا شوہر ہماری شادی کے دن غائب ہو گیا تھا۔ حادثے سے گرفتار کر کے قلعے میں لے گیا تھا اور وہاں اُسے ایک نصرانی حاکم نے کہیں اور بھیج دیا تھا۔ میں نے ایک نوکر کو ابو عامر کا پتا لگنے بھیجا تھا۔ لیکن وہ یہ اطلاع لایا کہ وہ بھی لاپتا ہے۔ میں اپنے نوکر کو ہر شے ایک یا دو بار ابو عامر کا پتا لگنے بھیجا کرتی تھی۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ واپس آ گیا ہے اور میں آپ کے پاس آئی ہوں کہ شاید اُس نے آپ کو ابو الحسن کے متعلق کچھ بتایا ہو!"

عمارہ کچھ دیر عورت سے سعاد کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے کہا "دیکھیے آپ کا میرے گھر آنا کوئی معمولی بات نہیں۔ میں اپنے خاوند بے چوچوں کی لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ اگر کوئی راز کی بات ہوئی تو وہ مجھے نہیں بتائے گا۔ اس معاملے میں وہ بہت سخت ہے۔ وہ میری ہر خواہش پوری کرتا ہے

لیکن مجھے یہ تک بتا کر نہیں گیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کب آئے گا۔ اب وہ میرے لیے کئی تحائف لایا ہے۔ وہ ان بچوں کے لیے بھی رستم کے کپڑے لے کر آیا ہے لیکن اس بات کا اس نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا کہ چھ سات مہینے کس کس شہر کی خاک چھانتا رہا ہے۔ لیکن آپ کا مسئلہ ایسا ہے کہ میں اسے ہر ممکن طریقے سے سمجھانے لگی۔ اور یہ میرا وعدہ ہے کہ اگر اسے آپ کے شوہر کے متعلق کسی بات کا علم ہوا تو آپ کو اطلاع مل جائے گی۔ اگر تم اجازت دو تو میرا ذکر تمہارے پاس آئے گا، لیکن گاؤں کے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ابوالحسن کے متعلق پریشان ہیں۔ عمار نے کہا، گاؤں کے لوگوں کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ سدا نے کہا، اگر تمہارا شوہر بھی یہ محسوس کرے کہ ابوالحسن کی جائے قیام یا قید خانے کے متعلق بتانے میں اسے کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے تو میں بھی تم سے رازدار نہیں کروں گی۔ میں..... میں صرت یہ جانا چاہتی ہوں کہ وہ زندہ ہے یا..... اس کی آواز بیٹھ گئی اور آنکھوں میں آنسو اُڑ آئے۔

عمارہ بھی آبدیدہ ہو گئی اور بولی، "میری بہن! مجھے یقین ہے کہ میں یہ بات اس سے معلوم کر سکوں گی اور اس کے بعد انشاء اللہ خود تمہارے پاس آؤں گی۔ سدا نے پوچھا، "تم نے غرناطہ سے اس کے ساتھ ہجرت کی تھی؟" "نہیں! میں یہیں پیدا ہوئی تھی۔ یہ میرے باپ کا مکان ہے۔ ہمارے گاؤں کا ایک آدمی غرناطہ میں بادشاہ کا ملازم تھا اور میرے شوہر کے ساتھ کام کرتا تھا۔ ہمارے رشتے کے لیے اس سے میرے باپ پر زور دیا تھا۔ سدا نے باری باری عمارہ کے بچوں کو اٹھا کر پیار کیا اور ان کے ہاتھ

میں سونے کا ایک ایک سکہ تھماتے ہوئے کہا، "بہن! اب میں جاتی ہوں۔ تم اپنے شوہر کو یہ شک نہ ہوئے دو کہ ہم اس پر کوئی شبہ کرتے ہیں اور تم جب چاہو ہمارے گھر آ سکتی ہو۔" تھوڑی دیر بعد سدا گاؤں سے باہر نکلے تو ابوالعقوب اس کا انتظار کر رہا

تھا۔

تیسرے روز عمارہ ان کے گھر آئی۔ اس نے سدا کو یہ بتایا کہ جب ابوعامر نے ابوالحسن کو آخری بار دیکھا تھا تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ لیکن اب اسے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ڈان لوئی نے اسے غرناطہ سے دور کسی جگہ پہنچا دیا ہے۔

اس کے بعد دن ہفتوں مہینوں اور برسوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ غرناطہ کے متعلق تشریفات خبریں آنے لگیں۔ مصعب اور اس کی بیوی نے کئی بار ہجرت کا ارادہ کیا لیکن سدا ہر بار یہ کہتی، "آپ جائیں! میں اس کا انتظار کروں گی۔" مگر وہ پیش کے حالات نے سدا کو ظاہری سہاروں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ لیکن جب وہ دُعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو اسے محسوس ہوتا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

انکویزیشن

سپین میں کلیسا کے ماضی کے بارے میں جو کتاب لکھی جائے گی اس میں انکویزیشن کا ذکر ضرور آئے گا اور اس داستان کا پس منظر خاص طور پر وہ دور ہے جب اندلس کے مسلمان انکویزیشن کی ہولناکیوں کا سامنا کر رہے تھے۔ عام طور پر انکویزیشن کا ترجمہ احتساب کیا جاتا ہے، لیکن یہ ایک لفظ یادوچار اور الفاظ اس کے ساتھ شامل کر دیے جائیں تو بھی اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے کافی نہیں۔ معافی کے اعتبار سے بظاہر احتساب کی طرح انکویزیشن بھی ایک بے ضرر لفظ معلوم ہوتا ہے مگر جب ہم کلیسا بالخصوص ہسپانوی کلیسا کے ماضی پر نظر دوڑاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی سے لے کر اٹھارھویں صدی تک اس سے زیادہ ہیبت ناک لفظ کوئی نہ تھا۔

یہ ایک وسیع محکمہ تھا جس کے اندر عجری، جاسوسی، عدالت اور اذیت رسانی کے شعبے ایک ہی مقصد کے لیے کام کرتے تھے۔ یہ ان راہبوں

انکویزیشن — کیا کے محکمہ احتساب کے نظام کی ایک جگہ
(ایک نئے ایک مصور کی نظر میں)



کی سلطنت تھی، جو لوگوں کو جبراً عیسائی بناتے تھے اور پھر ان کا مال و دولت چھیننے اور انھیں ہلاک کرنے کے لیے اُن پر یہ الزام عاید کرتے تھے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے۔

الزام عاید کرنے کے لیے ایک خفیہ گواہ کافی سمجھا جاتا تھا اور الزام ثابت کرنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ ملزم کو اس قدر اذیتیں دی جائیں کہ وہ ناکردہ گناہوں کے اعتراف پر مجبور ہو جائے۔

صلیب کے پرستاروں نے انتہائی بے بسی کی آغوش میں آنکھ کھولی تھی اور پھر صدیوں کے فاصلے طے کرنے کے بعد رومی شہنشاہوں کے دوش بدوش اپنے اقتدار کی سذیں اُڑاتے کی تھیں اور اس کے بعد مذہب کے نام پر بے گناہوں کے خون کی ندیاں بہا دی تھیں۔

۱۲۰۰ء میں قسطنطین کی تخت نشینی کے ساتھ عیسائیت کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ تین صدیوں کے دوران رومی حکمران عیسائیت قبول کرنے والوں کو بدترین سزائیں دیتے رہے، لیکن قسطنطین کے عیسائی ہوجانے کے بعد کلیسا براہ راست سلطنت کے اقتدار میں جھٹے دار بن گیا اور زمانے کے تباہی ہوئے راہب مظلوموں کی صف سے نکل کر ظالموں کی صف میں کھڑے ہو گئے اور انھوں نے غیر عیسائیوں کے ساتھ وہی سلوک شروع کر دیا جو قیصرانِ روم اپنے سیاسی حریفوں سے کرتے تھے۔

ابتدائی ادوار میں جس نسبت سے قسطنطین کے جانشین طاقت ور ثابت ہوئے، اسی نسبت سے انھیں کلیسا پر سیاسی بالادستی حاصل رہی، مگر کمزور حکمران جن کے اسلاف نے اپنے خون اور پسینے سے کلیسا کی بنیادیں استوار کی تھیں، یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ کلیسا کو اپنا آلہ کار بنانے کی بجائے

بذاتِ خود اس کے آلہ کار بن کر رہ گئے ہیں۔

۱۰۰۰ء کلیسا کے سیاسی اور اخلاقی ضابطوں میں وہ لچک نہ تھی جو رومیوں کے قانون میں تھی۔ عیسائی راہب ہر اس تحریک یا نظریات کے دشمن تھے جو ان کے عقائد سے مختلف تھے۔

ان کے ہاں منطق کا جواب جبر و تشدد تھا۔ خلقِ خدا کے لیے ان کا ایک ہی پیغام تھا اور وہ یہ کہ ہمارے ساتھ بن جاؤ، ورنہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے۔

چھٹی صدی کے اختتام تک عیسائی قریباً نو سے فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور انھوں نے جس شدت کے ساتھ قدیم مذاہب کے حامیوں کو کچلا تھا اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

ان میں سے جس گردہ کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی تھی، اس سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں کو سزا دینے کا سلسلہ حکومت کے سامنے پیش کیا۔ آتا تھا لیکن پھر یہ حالت ہو گئی کہ کلیسا کے برسرِ اقتدار فرقوں نے اپنے مخالفین کو سزائیں دینے کا سلسلہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

ریاست پر کلیسا کی گرفت جس قدر مضبوط ہوتی گئی، اسی قدر اس کی آزادی اور خود مختاری میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب شمال سے وحشی اقوام کی یلغار نے رومی سلطنت کی بنیادیں ہلاک رکھ دیں تو کلیسا کے راہبوں نے بتدریج ان وحشیوں کو عیسائیت کی آغوش میں سے لیا اور قدیم سلطنت کے کھنڈروں پر کلیسا کے اقتدار کی نئی عمارت کھڑی کر دی۔

۱۰۰۰ء اب پوپ سلطنت کے سرکاری فرقے کی رہنمائی کرتا تھا۔ اسے مخالف فرقوں کو کلیسا سے خارج کرنے یا ان کے لیے سزائیں تجویز کرنے کے تمام

اختیارات حاصل تھے جو پرائے وقتوں کے قیصر اپنی رعایا یا مخصوص عیسائیوں کے خلاف استعمال کرتے تھے۔

جب کلیسا اور برسرِ اقتدار طبقہ کے اہلکار کسی ایسے فرقے کو یا اس کے رہنما کو پکھنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے جو ان کے مروجہ دین یا قانون کے کسی ضابطے کی مخالفت کرتا تھا تو اس مقصد کے لیے خاص خاص عدالتیں قائم کی جاتی تھیں۔ تیرھویں صدی کے اوائل تک عوام کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں کلیسا کا عمل دخل اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ پوپ انوسینٹ ثالث نے کلیسا کے محکمہ احتساب کو ایک مستقل ادارہ بنا دیا اور اس ادارے یا محکمے کے ساتھ نصرانی دنیا

۱۲۰۸ء میں پوپ انوسینٹ نے ایوگنون AVIGNON میں کلیسا کے رہنماؤں کی ایک کانفرنس بلائی اور وہاں یہ فیصلہ ہوا کہ ہر ملحقہ کا بشپ اس بات کا سختی سے اعلان کرے کہ وہ کلیسا سے اختلاف رکھنے والوں کی سزاؤں کے بارے میں چرچے احکام کی پابندی کرے گا۔ اس کانفرنس میں فیصلہ ہوا کہ ایک پادری یا دو عام آدمی کسی آدمی کے بارے میں کسی ایسے قول و فعل کی گواہی دیں جو ارتداد کے دائرے میں آتا ہو تو اس شخص کو ظفر اقدام کیا جائے۔ ۱۲۱۵ء میں پوپ نے ایک اور کانفرنس بلائی اور انکوئی زینن کا دائرہ وسیع کر کے پاپے فیصلہ ہوا کہ تمام عیسائی ممالک سے یہ ملحقہ لیا جائے کہ اگر کلیسا کسی کو مرتد قرار دے تو وہ اسے ختم کر کے لیے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کریں گے۔ اس اقدام سے پوپ انوسینٹ نے ایک عوام کو ان کی آزادادی منیر اور مکرانوں کو ان کے اختیارات سے محروم کر دیا۔

مردین سے مراد وہ لوگ تھے جو حکومت تسلیم شدہ چرچ سے توفیق کوئی اختلاف سمجھتے تھے اور مذہبی مسائل میں اس کی بالادستی تسلیم نہیں کرتے تھے انھیں کلیسا سے خارج کر کے لیے یہ طریق کار وضع کیا گیا کہ جب کلیسا کی مقررہ رائے تو اسے محکمہ فوجداری کے حوالے کر دیا جائے اور وہاں سے سزا پانے والوں کی جائداد ضبط کر لی جائے۔ جن لوگوں کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہ ہوتا اور کلیسا صرف شبہ کی بنا پر ان پر کوئی پابندی عاید کرنا چاہتا تو انھیں شہری حقوق سے محروم کر دیا جاتا تھا اور مکرانوں کو انھیں کوئی ملازمت یا عہدہ دینے کا اختیار نہ ہوتا۔

میں ظلم و تشدد کا وہ دور شروع ہوا جس کی مثال انسانیت کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ بعض لوگ انکوئی زینن کے جواز میں انجیلی مقدس کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ اب محکمہ احتساب کلیسا کے ہاتھ میں ایک ایسا حربہ تھا جسے یورپ کے ظالم ترین حکمرانوں کی افواج سے کہیں زیادہ خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ کسی بادشاہ کی یہ مجال نہ تھی کہ کلیسا کے احکام سے سرتابی کر سکے۔

چنانچہ ۱۲۲۲ء میں شہنشاہ فریڈرک ثانی کو کلیسا کے خوف سے یہ اعلان کرنا پڑا کہ حکومت کے عمل کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ مقدس انکوئی زینن کے ملازم جہل جائیں، وہ ان کی حفاظت کریں اور ان سے عزت کے ساتھ پیش آئیں۔ اگر وہ کسی پر شک و شبہ ظاہر کریں تو اسے فوراً گرفتار کر لیا جائے اور جب انکوئی زینن کے اہلکار اس پر فرجزم عاید کریں تو اسے آٹھ دن کے اندر اندر کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔

جن لوگوں کے خلاف ارتداد کا جرم ثابت ہوتا تھا انھیں عام طور پر زندہ جلا دیا جاتا تھا، لیکن بعض حالات میں صرف ان کی زبان کاٹ دینا بھی کافی سمجھا جاتا تھا جرم چھوٹا ہوتا یا بڑا، سزا معمولی ہوتی یا انتہائی سنگین، گرفتار ہونے والوں کی جائداد بھر مال ضبط کر لی جاتی تھی۔ اس کا ایک حصہ انھیں گرفتار کرنے والوں دوسرا ان کے خلاف اطلاع دینے والوں میں تقسیم ہوتا تھا اور تیسرا کلیسا کے خزانے میں چلا جاتا تھا۔

لاہول کی ہوس دولت کا یہ عالم تھا کہ انھیں دن رات محکمہ احتساب کا

۱۷۰۰ء میں انکوئی زینن ہول تم اس کی ڈالیاں ہوا جو محسوس قائم رہتا ہے اور اس میں وہی بہت بھل لائقے کیونکہ مجھ سے جدا ہو کر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی مجھ میں قائم رہے تو وہ ڈالی کی طرح پھینک دیا جاتا ہے اور سوکھ جاتا ہے اور اسے جین کر کے آگ میں جھونک دیتے ہیں اور وہ جل جاتی ہیں۔ یوحنا: باب ۱۵

دارہ وسیع کرنے کی فکر رہتی تھی۔ لوگوں پر جھوٹے مقدمات بنانا اور انھیں بے برہنہ ذہنی اور جسمانی سزائیں دے کر ناکارہ جرائم کے اعتراف پر مجبور کرنا ایک معمول بن چکا تھا۔ خلق خدا ظلم کی پٹی میں پس رہی تھی اور کیسا کے محافظ رومی شہنشاہوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔

تیرھویں صدی عیسوی میں ڈومینیکی DOMINICAN فرقہ کے عروج کے ساتھ کلیسا کے نظام کا ایک نیا دور شروع ہوا اور وہ پادری جنھیں عیسائیت کے ابتدائی دور میں رومی سلطنت کی حدود کے اندر سرچھپانے کی جگہ نہیں ملتی تھی، عالم انسانیت سے اپنے ماضی کی بے بسی اور مظلومیت کا پورا پورا اہتمام لے رہے تھے۔

مجرموں کی گرفتاری سے لے کر عدالتوں کے سامنے پیش کرنے اور سزا کا حکم سنانے تک محکمہ احتساب کی تمام کارگزاری خفیہ ہوتی تھی اور کسی کے اچانک گھر سے غائب ہو جانے پر یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ انکو زینشن کے غلام آگے گرفتار کر کے کسی اذیت خانے میں لے گئے ہیں، لیکن انکو زینشن کے کسی اقدام پر نکتہ چینی کرنا یا اس کے متعلق خبر دینا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔

پندرھویں صدی عیسوی کے اختتام تک یورپ کے کسی مؤرخ کو ان لاہکوں مظلوموں کا ذکر کرنے کی اجازت نہ تھی، جو کلیسا کے حکم سے موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے، لیکن سولھویں صدی میں ماضی کے نقاب اہستہ اہستہ سڑکنے لگے اور انکو زینشن کی ہولناکیوں کے خلاف ستم رسیدہ انسانوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

لے رینالڈ گونزالز مونتانو REINALDO GONZALEZ MONTANO غالباً پہلا مصنف تھا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان عیسائی فرقوں کے علاوہ جنھیں رومن کیتھولک چرچ نے مرد قرار دیا تھا، احتساب کے تشدد کا دوسرا نشانہ یہودی تھے۔ صلیبی جنگوں کے دوران یورپ کے سرمایہ دار یہودیوں نے اپنے

جس کی آواز نے یورپ کے مول و معن میں نکتہ احتساب کی ہولناکیوں کے خلاف ایک طوفان پا کر دیا۔ وہ ایک ہسپانی تھا جس نے محکمہ احتساب کے نظام سے فرار ہو کر برصغیر میں پناہ لی تھی۔

۱۵۹۶ء میں انکو زینشن کے متعلق اس کی شہرہ آفاق کتاب ایٹیل برگ (جرمنی) سے شائع ہوئی۔ کیا کے نظام کے خلاف مرنار کی آواز اس قدر مؤثر تھی کہ چند برس کے اندر اس کے مستند ایڈیشن اور یورپ کی دوسری زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو چکے تھے۔ برطانوی حکومت کے ایک ایڈیشن اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مینو پارکراگ شپ کنٹریری کے نام منون کر کے شائع کر دیا۔ برطانیہ اور مغربی یورپ کے پروٹسٹنٹ فرقے میں یہ

کتاب خاص طور پر مقبول ہوئی اور مذاہن محکمہ احتساب کی ہولناکیوں کے بارے میں مغرب کے تاریخی اور انسانی ادب کیلئے نشانہ کا کام دیتی رہی۔ انشاء گلاہل اور مصنف نے کافی تفصیل کیساتھ انکو زینشن کے ان اذیت خانوں کی تصویریں جنھیں جہاں شیطان خصلت کا گہبہ مردوں کی طرح عورتوں کے کپڑے بھی اتروا بیٹے تھے۔ اسی موضوع پر ۱۸۱۶ء میں جان اٹوئیروٹ کی مشہور کتاب فریڈی زبان میں پیرس سچا ہر جلدوں میں شائع ہوئی۔ ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوا تھا اور اس کی تصنیف اس لحاظ سے بہت کم ہو کر وہ لیکرانو LAGRANO میں محکمہ احتساب کا سیکرٹری جنرل رہ چکا تھا۔ ۱۸۹۴ء میں اس نے محکمہ احتساب کی عدالتوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی، لیکن ننگنغرا بہوں کے سامنے اس کی پیش رفت جی اور اسے ۱۹۰۸ء میں اپنے حمد سے محروم ہونا پڑا۔ جب پنومین ہونا پارٹ کا بھائی جوزف اسپین پرتابن ہوا تو وہ اس کے ساتھ لگا۔

لورنٹ کو محکمہ احتساب کے پرانے ریکارڈنگ سائی حاصل تھی اور جوزف ہونا پارٹ نے اس محکمہ کو متعلق کرنے کے بعد اس ریکارڈنگ گمداشت اسے سوچ دی۔ لورنٹ نے اپنی مشہور کتاب ابھی ختم نہیں کی

خزانے عیسائیوں کے لیے کھول دیے تھے، لیکن جب ترکان آل عثمان نے ایشیا کی بجائے یورپ کو ہلال و صلیب کی دزم گاہ بنادیا اور بلقان سے لے کر آسٹریا کی حدود تک فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے تو مغربی یورپ

تھی کہ نپولین کو زوال آگیا اور ناپل کو بھی فرانسیسی افواج کے ساتھ ہیابین سے نکال دیا۔ تاہم وہ بہت سادہ دلی مولو اپنے ساتھ لے گئے۔ کیا یہ ہرگز اپنی کتاب مکمل کی۔ ناپل کے املاک کے مطابق سپین میں ۲۱۱۱۳ آدمی ایسے تھے جنہیں نیکر اعتباراً زندہ بھلا دیا تھا۔ ۱۷۹۹ ایسے تھے جو نیکر اعتباراً آئینی اصول نکل کر جاگ گئے تھے اور جن کے پتے بھٹک گئے تھے۔ ۱۸۵۵ میں جان مرٹن کی تصنیف دی

آن ٹی ری پبلک The Rise of Dutch Republic کا پہلا ایڈیشن لندن سے شائع ہوا۔ مصنف نیکر اعتباراً کی عدالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: "یہ عدالت جیسے ملک کے ہر دواوی اور فوجدار کی خطا پر بالادستی حاصل تھی چند لوگوں پر مشتمل ہوتی تھی اس کے علاوہ فیصلوں کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں کے کارندے ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے اور ایک ایک گھر کی خبر رکھتے تھے۔ یہ عدالت کسی کے سامنے جلاوہ نہ تھی اور اسے انسانی مزید کی گراہیوں کے سامنے مائل کرنے کا دعویٰ تھا۔ نیز اس کے سامنے نہیں ہر نیولے دزم اپنے ظاہری قل و قلم کی بجائے اپنے دل میں چھپے ہوئے خیالات کی سزا پاتے تھے۔۔۔۔۔ لوگوں کو مرنے شک کی بنا پر گرفت کر لیا جاتا تھا۔ انہیں اس قدر اذیتیں دی جاتی تھیں کہ وہ ناکہ دہان ہوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور پھر انہیں زندہ بھلائے کی سزا دی جاتی تھی۔۔۔۔۔ کسی آدمی کے متعلق صرف ایک حصہ گواہی اس اذیت خانے میں پہنچا دینے کیلئے کافی سمجھ جاتی تھی۔ پھر جب سردی، جھوکا، ایک صبر آزماستانی سے اس کے ذہنی اور جسمانی قوتیں تحلیل ہو جاتے تھے تو نیکر اعتباراً ہمدرد اس کا عیاذ کرتے تھے۔ اگر اس میں جوا لینے کی ہمت ہوتی تھی اور وہ ناکہ دہان ہوں کا اعتراف کر لیتا تھا تو کم از کم سزائے موت تھی کہ اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی جاتی تھی اور اسے ایک عین ہونے تک یا ساری عمر کے لیے ایک ذلیل لباس سن بنیٹو Sanbenito پہننے کا حکم دیا جاتا تھا۔۔۔۔۔ اگر وہ جگہاں ہونے پر رخصت رہتا تھا تو اسے مزید اذیتیں دینے کیلئے صرف ایک گواہ اور زندہ بھلائے کیلئے "گواہ لانی" کہے جاتے تھے۔ عزم کو صرف فرو فرم سنا جاتی تھی اور خفیہ گواہ کسی صورت میں بھی آگ

کے حکمرانوں کی توجہ گھریلو محاذ پر مبذول ہو چکی تھی۔

یورپ کی تجارت پر یہودیوں کا قبضہ تھا اور عیسائی بادشاہوں سے لے کر ادنیٰ لوگوں تک سب ان کے مقروض تھے۔ انہوں نے اپنے حریف

سامنے پیش نہیں کیے جاتے تھے۔ لوگ کلیسا کے اس حکم سے سخت غور و فکر کرتے تھے کہ اگر انہیں اپنے کسی عزیز یا جان پہچان کی کسی ایسی بات کا علم ہو جائے کلیسا قابل سزا سمجھی ہو اور وہ نرا حکم استیصال کا دعوے کرے بہت کی سزا دی جا سکتی تھی۔ اس سزا کے خلاف خفیہ گواہی دینے والا اس کا خوف دہشتا اس کی بری بہن بھائی یا باپ بھی ہو سکتا تھا۔ بدل و انصاف کے ظاہری تقاضے پر اسے کئی کیلئے دزم کو نیکر اعتباراً کی طرف سے ایک کیل بھی دیا جاتا تھا لیکن اسے ایک قیدی سے کرنی بات چیت کرنے یا کوئی دستاویز دینے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ خفیہ گواہ اس کے علم میں نہیں لائے جاتے تھے اور اسے صفائی کے گواہوں کو سزا کی اجازت تھی۔ جب دزم کو اذیت خانے میں بھیجا جاتا تھا تو ایذا رسانی کے آلات اور آئینی جیسے اس کیلئے آٹری عدالت میں جاتے تھے اور ناقابل بیان نظام کے سامنے صبر اور حوصلہ اس کا سب سے بڑا دلیل ہوتا تھا۔ ایذا رسانی کے لیے ہر طرح کے وقت شمول کی وجہی روشنی میں اپنا کام شروع کرتے تھے۔ قیدی مرد و عورت یا لڑکی کے کپڑے اتار دیتے جاتے تھے۔ اس کو کڑی کے ایک بچے پر بٹھا دیا جاتا تھا اور پھر ایذا رسانی کی وہ مشین حرکت میں آتی تھیں جس کے تحت سے انسانی روح کا بپ اٹھتی ہے۔ جلاوہ سے پاؤں تک ایک سیاہ لباس پہن جوس ہوتا تھا۔ اس کے چہرے کے نقاب میں صرف دو سوراخ ہوتے تھے جس کے نیچے قیدی کو اس کی خوشنوا آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ قیدی کو کبھی گرم سونوں سے داغا جاتا تھا اور کبھی اس کی کھوپڑی بازوؤں اور ٹانگوں کی ہڈیوں پر گولیوں میں گولی جاتی تھیں۔

قرینا ای دور کا ایک اور مصنف تھان فاکس "لکھتا ہے کہ کلیسا کے راہب جس بے گناہ کو گرفتار کرتے ہیں اسے سزا دینے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے اور اس کیلئے وہ مجموعی قصوں اور جلی دستاویز سے کام لیتے ہیں بھی درین نہیں کرتے۔ فاکس کی تصنیف شہیدوں کی کتاب "کے میں ایڈیشن میں ایک پاری انگرام گوبل Ingram Goble نے چند افسانے کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ نپولین کے زمانے

ساہوکاروں سے بیچا چھڑانے کے لیے کلیسا سے مدد حاصل کی اور محکمہ احتساب کے کل پرنسے حرکت میں آگئے۔ ظلم و تشدد کی ایک لہر اٹھی اور یہودیوں کو اپنے جان و مال کے تحفظ کے لیے جبراً عیسائیت قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔

حامیانِ دینِ مسیح کو پرستارِ ان صلیب کی تعداد میں اضافہ کرنے کی بجائے یہودیوں کی دولتِ مسیحیت کی نگر تھی۔ انھیں صرف یہ ثابت کرنے کی ضرورت تھی کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے اور اس مقصد کے لیے کلیسا کا محکمہ احتساب موجود تھا۔ عکراں اور امراء قرضوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے انھوں نے زینت کے آئینہ کار بن گئے۔

میں فریسی نے سچے رہنے والوں کے ہمدردوں میں محکمہ احتساب کے خفیہ سرکاروں کی تلاش کی تو ایک جگہ سے اذیت دینے والے بعض اوقات اذیتیں دریافت ہوئیں۔ ایک شین ایسی تھی جس کے ساتھ سزا مانے والوں کو ماندھ دیا جاتا تھا اور یہ اس طرح حرکت میں آتی تھی کہ سزا پانے والوں کی ہاتھوں کی انگلیوں سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک جسم کی تمام ہڈیوں کے بڑھڑٹ جاتے تھے۔ ایک جگہ غرضوں کو پانی کے ساتھ عذاب دینے کا ساز و سامان تھا۔ ایک اور شین کے ساتھ چالیس چھریاں منسلک تھیں۔ جب غرض کو اس شین کے ساتھ ماندھ کر حرکت میں لایا جاتا تھا تو تیز پھریاں اس کا جسم ریزہ ریزہ کر دیتی تھیں۔ شیعہ کی تخلیق کا بڑا عجوبہ وہ شین تھی جو بظاہر ایک بڑی گویا معلوم ہوتی تھی۔ اس کو ایک قیمتی لباس سے آراستہ کیا گیا تھا اس نے اپنے دونوں بازو اس طرح پھیلا رکھے تھے جیسے وہ کسی گنگے لگا کر مار کر ناچا رہی ہو۔ اس کے ساتھ فریٹ پر ایک نصف دائرے کا نشان تھا۔ قیدی کو اس خوبصورت گزائی کی طرف دھکیل دیا جاتا تھا اور جونی وہ نشان کے اندر پاؤں رکھتا تھا، نیچے کسی سپرنگ پر دباؤ پڑنے سے خفیہ شین حرکت میں آجاتی اور گزائی قیدی کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیتی اور اس کے ساتھ ہی ایک وقت سینکڑوں چھریاں قیدی کے جسم میں بوست ہو جاتیں۔

عوام یہودیوں کے خلاف ہر سچی جھوٹی بات ماننے کے لیے تیار تھے اور محکمہ احتساب کے جاسوس کسی سالبہ یہودی کے خلاف قیام اٹھانے کے لیے صرف یہ جان لینا کافی سمجھتے تھے کہ وہ دولت مند ہے۔ جب وہ اچانک اپنے گھر سے غائب ہو جاتا تھا تو اسے جاننے والے یہ سمجھ لیتے تھے کہ وہ محکمہ احتساب کے کسی اذیت خیز نے میں پہنچ گیا ہے۔

صلیبی جنگوں میں یورپ کے یہودی سرمایہ داروں نے ہمیشہ عیسائیوں کی مدد کی تھی اور تاریخ کے طالب علم کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ جب جرمنی اور مغربی یورپ کے دوسرے ممالک کے یہودیوں پر عرصہ نجات تنگ ہو چکا تھا تو انھیں ترکی کے عکراؤں نے پناہ دی تھی۔



یورپ کی توہم پرستی کے باعث کلیسا کے لیے جادو گروں کا مسئلہ بھی بہت اہم بن چکا تھا۔ ۱۴۸۲ء میں پوپ انسولنٹ ہشتم نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ جادو گری ساری دنیا کے لیے ایک ایسی وبال ہے جس کی روک تھام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

وسطی اور شمالی جرمنی میں جادو گری کا پورا جہا بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ پوپ نے ڈومینیکی فرقہ کے دورا انھماؤں کو روز اور سپرنگ کو جادو گروں کے استیصال پر

سے سلطان مراد اول کے زمانے سے لے کر سلطان بایزید عظیم کے دور حکومت تک ہزاروں یہودی جرمنی سے فرار ہو کر ترکی میں پناہ لے چکے تھے۔

ماہر کیا انھوں نے ایک رپورٹ شائع کی جس نے جرمنی میں تہلکہ مچا دیا۔ ان پادریوں کے نزدیک جادوگر شیطان کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ انھوں نے چرچ کو خبردار کیا تھا کہ جادوگر انسانوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور — شیطانوں کے ساتھ سوتے ہیں۔ بہت سے دن ہوا میں اڑتے ہیں اور موشیوں کو نقصان پہنچاتے، طوفان لانے اور بجلیاں گرا سنے پر قادر ہیں۔

اس رپورٹ کے بعد ہر پاپ کو روزانہ سپرنگ کے خیالات سے اتفاق کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۵۴۵ء میں جادوگری کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ابتداً جیواں سے ہوئی جہاں کالون نے ۳ آدمی قتل کر دیے۔

ایک اندازے کے مطابق مغربی یورپ میں چودھویں اور پندرہویں صدی کے درمیان پندرہ لاکھ انسان جادوگری کے جرم میں زندہ جلائے گئے۔ مرن جرمنی میں ایک لاکھ انسان سترھویں صدی کے دوران زندہ جلائے گئے تھے۔ اس زمانے میں برطانیہ میں زندہ جلائے جانے والوں کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔

کلیسا کسی کو جادوگر ثابت کرنے کے لیے بھی انہی حربوں سے کام لیتا تھا جو مذہب کے دوسرے مجرموں پر آزمائے جاتے تھے۔

لوگوں کے لیے کسی ساہوکار کے قرضے سے نجات حاصل کرنے یا کسی دشمن سے انتقام لینے کا آسان ترین طریقہ یہ تھا کہ اس کے متعلق جادوگر ہونے کی افواہ اڑادی جائے۔ پھر جتنا زیادہ وہ دولت مند ہوتا تھا اسی قدر کلیسا اور حکومت کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اسے مجرم ثابت کیا جائے۔

سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ جن یہودیوں نے لوٹ مار اور قتل و غارت سے بچنے کے لیے عیسائی مذہب اختیار کیا تھا ان میں سنگ دل انسانوں کا

ایک گروہ ایسا تھا جو کلیسا کے مظالم میں حصہ دار بننے کے لیے محکمہ احتساب میں داخل ہو چکا تھا۔

ان لوگوں کو یا تو اس بات کا خدشہ رہتا تھا کہ اگر انھوں نے اپنے ہم جنسوں کے بارے میں کسی نرمی سے کام لیا تو کلیسا سے ان کی وفاداریاں مشکوک سمجھی جائیں گی یا عیسائی ہونے سے قبل انھوں نے صدیوں تک کلیسا کے جو مظالم برداشت کیے تھے ان کے باعث وہ انتہائی مفتقر مزاج اور بے رحم بن چکے تھے۔

رہبانیت کا لبادہ انھیں انسانیت کے خلاف اپنے جذبہ انتقام کی تسکین کا سامان مہیا کرتا تھا، چنانچہ محکمہ احتساب کے بدترین ضابطے اور ایذا رسانی کے انتہائی وحشیانہ طریقے انہی لوگوں کے زرخیز دماغ کی اختراعیں تھیں۔ پھر جن لوگوں کی رگوں میں یہودی خون کی آمیزش ثابت کی جاسکتی تھی، انھیں لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے اور محکمہ احتساب کی آہنی گرفت سے بچنے کے لیے عام عیسائیوں کی نسبت زیادہ سنگدل بن کر نظر کرنا پڑتا تھا۔



یورپ کے دوسرے ممالک میں محکمہ احتساب عیسائیوں کے معتبوب فرقوں کے بعد یہودیوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا۔ سپین کے حالات یورپ کے دوسرے ممالک سے مختلف تھے۔ جب سپین کے شمال میں عیسائی سلطنتیں مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھیں تو یہودی مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے حلیف ہو کر تھے اور ان کی مدد دہتی ہوئی جنگی ضرورت پورا کرنے کے لیے روپیہ مہیا کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ۱۲۳۲ء میں جب عیسائیوں نے اشبیلیہ فتح کیا تو اپنے یہودی
ساہرہ کاروں کو خوش کرنے کے لیے اس شہر کی تین بڑی مساجد ان کے سپرد کر دیں
اور یہودیوں نے ان مساجد کو اپنی عبادت گاہوں میں تبدیل کر دیا۔

اس کے بعد سپین میں یہودیوں کی ترقی اور خوشحالی کا سبب دور شروع
ہوا۔ تجارت پر پہلے ہی ان کا قبضہ تھا اور اب انھوں نے حکومت میں بھی
اہم عہدے حاصل کر لیے تھے۔ ألفارو ہشتم کا خزانچی ایک یہودی تھا اور
اس کی ایک داشتہ بھی یہودی تھی۔ حکومت کی سرپرستی میں یہودی اپنے
قرض داروں سے چالیس فیصدی تک سود وصول کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے
کئی بار اشرافان ان کے قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے تھے۔

عیسائی جاگیرداروں کو اپنے یہودی ساہرہ کاروں کی تجوریاں بھرنے کے
لیے عوام سے زیادہ سے زیادہ روپیہ ٹھونسنے کی نگرانی تھی۔ تیرھویں صدی کے
وسط آخر میں یہودیوں کی بے پناہ دولت اور امیرانہ ٹھاٹھ ہاتھ کے خلاف ایک
رد عمل شروع ہوا۔ کلیسا کے راہب پہلے ہی ان کی امارت سے جلے ہوئے تھے
چنانچہ انھوں نے عوام اور امراء کے تعاون سے یہودیوں کے خلاف ایک تحریک
شروع کر دی۔

عیسائی پادریوں کے ایک گروہ میں سے ایک شعلہ بیان مقرر ہرنینڈو مارٹینز
تھا۔ بیرون فی راہب جہاں جاتا تھا وہاں یہودیوں کے خلاف انتقام
کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ اس تحریک میں وہ لوگ پیش پیش تھے، جن کے
نزدیک یہودیوں کے قرضوں سے نجات حاصل کرنے کی یہی صورت تھی کہ انھیں
لوٹ لیا جائے اور ان کے ہی کھاتے جلا دیے جائیں۔

مالدار یہودیوں نے مارٹینز کے خلاف بادشاہ 'ہشپ آف اشبیلیہ اور
پوپ سے اپیلیں کیں۔

بادشاہ اور ہشپ نے اسے یہودیوں کے خلاف اشتعال انگیزی بند کرنے
کے احکام صادر کیے، لیکن ہرنینڈو مارٹینز نے یہ احکام ٹھکرا دیے اور اعلان
کیا کہ میرے اندر خدا کی روح ہے اور انسانوں کے احکام میری زبان بند نہیں کر سکتے
اس پر اشبیلیہ کے آرک ہشپ ڈان پیڈرو نے تنگ آکر اس کے
خلاف فتویٰ لگایا اور اس کے تمام اختیارات چھین لیے۔

پھر جب ایک مجرم کی حیثیت سے اُس کے مقدمے کی سماعت ہونے
والی تھی تو آرک ہشپ اچانک چل بسا اور ہرنینڈو اپنے اثر و رسوخ سے کام لے
کر اس کا جانشین بن گیا اور اس نے اولین فرصت میں یہودیوں کی کئی عبادت گاہیں
جلا دیں۔

اس کے بعد یہ آگ جس کے شعلے اشبیلیہ کے متمول یہودیوں کے گھر
سے بلند ہوئے تھے پورے اندس میں پھیل گئی اور قرطبہ، برگس، طلیطلہ، ارغون
قلونہ، برشلونہ کی گلیاں یہودیوں کے خون سے بھر گئیں اور وہ جو زندہ رہنا چاہتے
تھے ان کے لیے عیسائیت قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔

عوام کے اشتعال کا یہ عالم تھا کہ جن سرکاری حکام نے ان کا راستہ
روکنے کی کوشش کی، انھیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ عیسائی مؤرخوں
کے انداز سے کے مطابق کوئی پچاس ہزار یہودی مارے گئے اور قریباً دس لاکھ
یہودیوں نے اصطباغ لے لیا۔ جب عوام کا جوش ذرا ٹھنڈا ہوا تو بچے کچھے
یہودی جو ابھی تک بہتر مستقبل کی امید پر اپنے دین پر قائم تھے، اپنی پناہ گاہوں
سے باہر نکلے اور انھوں نے جلی ہوئی عبادت گاہیں پھر تعمیر کرنی شروع کر دیں۔

لیکن انتہام کی آگ پھر بھڑک اٹھی اور حکومت کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اب کوئی یہودی اپنی مذہبی عدالتوں میں جج کا عہدہ حاصل نہیں کر سکے گا اور ان کے تمام مقدمات کا فیصلہ عیسائی جج ہی کیا کریں گے۔ ہر شہر میں صرف ایک ہیکل کے سوا باقی تمام عیسائیوں کے گرجوں میں تبدیل کر دیے جائیں گے۔ یہودی طب، جراحی اور علم کیمیا میں حصہ نہیں لے سکیں گے انھیں عیسائیوں کے ساتھ تجارت یا کسی قسم کے لین دین کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ حکومت کے ٹیکس کلکٹر کے عہدے پر فائز نہیں ہو سکیں گے۔ وہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکیں گے اور نہ عیسائی بچوں کے ساتھ کسی مدرسے میں تعلیم حاصل کر سکیں گے۔

انھیں اپنی آبادیوں کے گرد چار دیواری تعمیر کرنی پڑے گی تاکہ وہ عیسائیوں کے ساتھ کسی قسم کا ربط نہ رکھ سکیں اور انھیں اپنے خیالات سے متاثر نہ کر سکیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان شادیاں نہیں ہو سکیں گی۔ اگر کوئی یہودی کسی عیسائی طوائف کے ساتھ بھی تعلق رکھے گا تو اسے زندہ جلا دیا جائے گا۔

یہودیوں کو بال تراشنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ سال میں کم از کم تین بار عیسائی راہبوں کے وہ خطبے سنا کریں گے جن میں انھیں اور ان کے اکابر کو بدترین گالیوں سے نوازا جاتا تھا۔

جبراً عیسائی بنائے جانے والے یہودیوں کو مار انو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ عیسائیت قبول کرنے کے باعث ان کے لیے ترقی اور خوش حالی کے وہ دروازے کھل گئے تھے جو یہودیوں پر بند تھے اور وہ اپنی ذہانت اور محنت کے باعث نہ صرف تجارت اور صنعت و حرفت میں آگے نکل گئے تھے بلکہ

انھوں نے کلیسا اور حکومت میں بڑی بڑی ملازمتیں بھی حاصل کر لی تھیں۔ عیسائیوں کے تعصب کی آگ سے بچنے کے لیے ان کا مذہب قبول کر لیا تھا، لیکن نئے عیسائیوں کی ترقی پر انے عیسائیوں کو بڑی طرح کھٹکتی تھی، چنانچہ انھوں نے اس قسم کی افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ یہودی صدق دل سے عیسائی نہیں ہوئے۔ اس الزام کے ثبوت کے لیے کلیسا نے ان نو عیسائیوں سے کام لیا جو کسی لالچ یا خوف سے اپنے بھائیوں کے خلاف جھوٹی گواہی دے کر انہیں ہر گئے تھے۔

جب تک فردی نینڈ اور ازابیلا غرناطہ کے مسلمانوں سے برسر پیکار تھے تو انھوں نے یہودیوں سے مالی اعانت حاصل کرنے کے لیے ہنس، قتلونہ اور انزار میں انکوی زیشن کو ایک باقاعدہ ادارے کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع نہ دیا، لیکن جب غرناطہ میں مسلمانوں کی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا اور ملکہ ازابیلا پہلی بار اشبیلیہ آئی تو اس نے وہاں انکوی زیشن کی بنیادیں رکھ دیں۔

تاریخ کے طالب علم کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ملکہ ازابیلا کے مشیروں، سکریٹریوں اور نجی ملازموں میں ان نئے عیسائیوں کی خاصی تعداد موجود تھی جو نسل یہودی تھے۔ ان یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں فزائی کو بہت مدد دی تھی اور وہ ان کا احسان مند تھا، لیکن ان سے زیادہ دولت و ثروت کے لیے وہ بھی ملکہ کا حامی بن گیا۔

ڈوئیک فرتے کا ایک راہب جس نے انکوی زیشن کو مذہب کا ایک انتہائی مقدس فریضہ بنا دیا تھا اور ہسپانیہ میں ظلم و استبداد کی عمارت کے لیے

پامداد بنیادیں مہیا کی تھیں۔ سگودیا کی خانقاہ کا ایک راہب تورکیز تھا۔ وہ سیاہ رنگ کا کھردرا لباس پہنتا تھا اور لوگ اس کی سادگی سے برعرب تھے۔

اور اندلس کے حکمران جس بات سے خاص طور پر متاثر ہوئے وہ اس کی شیطانی ذہانت تھی۔ ۱۲۴۸ء میں جب کہ تورکیز کی عمر ۵۵ سال ہو چکی تھی وہ طلیطلہ اور ازغون کا محسوب اعلیٰ مشر ہوا اور اس نے ظلم و وحشت کا ایک ایسا بھیاںک نظام رائج کیا جس کے تصور سے انسان کا ضمیر کانپ اٹھتا ہے۔

فرڈی نینڈ کو غرناطہ کے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن اور طویل جنگ لڑنے کے لیے زیادہ سے زیادہ سرمائے کی ضرورت تھی اور اس نے کلیسا کی بجائے اپنی ضرورت پورا کرنے کے لیے محکمہ احتساب کو ایک خود مختار ادارہ بنا دیا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں اس کی بیشتر رعایا اپنی جان و مال بچانے کے لیے عیسائی مذہب قبول کر چکی تھی۔

ان نئے عیسائیوں میں مال دار گھرانے اس کی نگاہوں میں بری طرح ٹھکتے تھے اور اسے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو اپنے چہرے پر مذہب کی نقاب ڈال کر خلق خدا کو آستہانی بے رحمی کے ساتھ لوٹ سکتا ہو اور نئے عیسائیوں کو پاپائے روم کے تحفظ بے محروم کرنے کے لیے اتار دے سکتا ہو کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس سے صرف دین کی بھلائی مقصود ہے۔

تورکیز نے انہی زلیں کے لیے جو رہنما اصول وضع کیے تھے وہ فرڈی نینڈ کی اسی ضرورت کے لیے تھے۔ اس نے جو قواعد و ضوابط بنائے تھے ان کا اصل مقصد لوگوں کی املاک ضبط کرنا تھا چنانچہ ارتداد کے مجرموں کی جائدادیں اس

لے بعض روایات کے مطابق تورکیز کا شجر نسب یہودیوں سے ملتا تھا۔ یہی طرح فرڈی نینڈ کے متعلق بھی کہتا جاتا ہے کہ اس کی رگوں میں یہودی خون کی آمیزش تھی۔

دن سے ضبط کبھی جاتی تھیں جب وہ کلیسا کے خلاف پہلی بار کسی جرم کے مرتکب ہوتے تھے۔

ارتکاب جرم اور گرفتاری کے درمیان اگر انہوں نے اپنی جائداد کا کوئی حصہ قرضہ چکانے یا کوئی اور ضرورت پوری کرنے کے لیے فروخت کر دیا ہوتا تھا تو وہ بھی ضبط کر لیا جاتا تھا۔ پھر جب محکمہ احتساب کے حلالہ ایک آدمی سے ناکردہ گناہ کا اعتراف کر دالتے تھے تو اسے مزید اذیتیں دے کر دوسرے لوگوں کو پھانسن لیا جاتا تھا۔

مثلاً ایک ملزم کو بیان دینے پر مجبور کیا جاتا تھا کہ اس کا باپ، دادا، بھائی، ماموں یا چچا بھی اس کے ہم خیال تھے تو وہ بھی گرفتار ہو کر اذیت خانوں میں پہنچ جاتے تھے۔ اس طرح ایک فرد یا ایک کنبہ کی بربادی سے ان گنت خاندانوں کی تباہی کا راستہ کھل جاتا تھا۔

باپ یا دادا کی موت سے چالیس سال بعد بھی ان کے فرضی جرائم کی سزا دی جاتی تھی اور وہ تمام جائداد جو چالیس سال کی مدت میں کسی وارثوں میں تقسیم ہو چکی ہوتی تھی ضبط کر لی جاتی تھی اور اس کا جو حصہ فروخت ہو چکا ہوتا تھا یا جہیز میں دیا جا چکا ہوتا تھا وہ بھی ضبط کر لیا جاتا تھا۔

کلیسا مردوں کو جسمانی اذیتیں دینے پر قادر نہ تھا اس لیے قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال کر زندہ جلائے جانے والے مجرموں کے ساتھ آگ میں جھونک دی جاتی تھیں۔

جو لوگ ملک سے فرار ہو چکے ہوتے تھے ان پر ان کی غیر حاضری میں مقدمے چلائے جاتے تھے اور جب کسی مفرد کی موت کا فیصلہ ہوتا تھا اس کا پتلا جلا دیا جاتا تھا۔

کس جرموں کے ساتھ یہ رعایت برقی جاتی تھی کہ اگر وہ یہ اعتراف کر لیتے کہ وہ اپنے والدین کی گمراہی کا شکار ہوئے ہیں تو ان کی سزا نسبتاً کم ہوتی تھی لیکن وہ اپنے والدین کی ضبط شدہ املاک سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔



ماضی کے حکمران اپنی رعایا سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس وصول کرنے کے لیے یہودی کارندوں سے کام لیا کرتے تھے، لیکن تو رکبڈا اور اس کے جانشینوں نے فرڈی نینڈ اور ازابلا کو یہودیوں کی خدمات سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اب کسی کے جان و مال پر ہاتھ ڈالنے کی آسان ترین ترکیب یہ تھی کہ پہلے اس پر مرتد ہونے کا الزام عاید کیا جائے۔ گرفتار کرنے والوں کو ملزم کے خلاف ثبوت کی پہلی ضرورت نہ تھی۔ محکمہ احتساب کے اذیت خانے موجود تھے۔ سخت جان لوگوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور ہر اذیت کے بعد پھر ایک نیا بیان لیا جاتا تھا۔ پھر ان بیانات کے معمولی فرق سے بھی یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ ملزم نے دانستہ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

ملزم پر انکوی زیشن کے جلا دہوں کی گرفت اتنی مضبوط ہو جاتی تھی کہ اسے اپنی زندگی کی آخری سانس تک نئی نئی اذیتیں برداشت کرنے یا رحم کی اتسید پر ناکرہ گناہوں کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

پھر محکمہ احتساب کے کارندے ہی کافی نہیں سمجھتے تھے کہ ملزم نے اپنے ذاتی گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے بلکہ اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام ظاہر کرنے کے لیے مزید اذیتیں دی جاتی تھیں، یہاں تک کہ ملزم کی ذہنی حالت یہ ہو جاتی تھی کہ وہ آرام کے چند سانس لینے کے لیے کئی بے گناہوں کے

نام ظاہر کر دیتا تھا۔ اس طرح ظلم و تشدد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ مقدمات کا فیصلہ ہونے میں کئی مہینے اور بعض اوقات کئی سال لگ جاتے تھے۔ ملزم کی گرفتاری کے ساتھ اس کی تمام جائیداد محکمہ احتساب اپنی تحویل میں لے لیتا۔ اس کے گھر کے سارے ساز و سامان کی مکمل فہرست تیار کی جاتی اور قید کے ایام میں اس کے تمام اخراجات اُس کی جائیداد کی نیلامی سے پورے کیے جاتے تھے۔ ان اخراجات میں وکیل کی فیس بھی شامل ہوتی تھی۔ اس طرح انتہائی باعزت اور مالدار آدمیوں کے بال بچے صرف زندہ رہنے کے لیے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

گرفتار ہونے والے ملزموں کو جسمانی سزا سے پہلے ذہنی اذیتیں دی جاتی تھیں۔ ابتدا میں انھیں اذیت خانے دکھا کر مختلف سزائوں سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس کے بعد انھیں سلسل کی کئی دن جگائے رکھنے کی سزا دی جاتی تھی اور انھیں پے در پے سوالات سے تھکا کر اپنی مرضی کے بیان حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اسے ذہنی طور پر مفلوج کرنے کے لیے تنگنا اور ٹھوکا رکھا جاتا تھا اور اُس سے متضاد بیان دلوائے جاتے تھے۔

جب ذہنی اذیتیں ملزم سے اقبال جرم کروانے میں ناکام ثابت ہوتی تھیں تو اسے جسمانی عذاب دیا جاتا تھا۔

لے انکوی زیشن کے عام تواریخ صرف چند سزائوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن مارسیس جسمانی سزائوں کے ۱۴ مختلف طریقے بیان کرتا ہے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ ملزم کے پاؤں کے تھووں کو چوبی لٹاکا لگا دیا جائے یا گرم سلاخوں سے حرارت پہنچائی جاتی تھی۔ پھر کوڑے لگا کر صلیب پر لٹکا دیا جاتا تھا اور ایک ہاتھ میں بیچ ٹھٹھکی دی جاتی تھی۔ ایک اور طریقہ یہ تھا کہ اذیت خانے کی چھت پر ایک چرنی لگی ہوتی تھی جس کے اوپر اس کو لٹکا دیا جاتا تھا۔ سسے کے ایک سرے سے ملزم کی دونوں کلاںیاں پیچھے کی طرف باغداد دی جاتی تھیں۔ پھر جلاڑتے کو

کلیسا کی عدالت سے سزا پانے والے مزم دو جہتوں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔ ایک وہ جوازیت کے دوران اعتراف جرم کر لیتے تھے لیکن اس کے بعد منحرف ہو جاتے تھے۔ دوسرے وہ جو اعتراف گناہ کے بعد پہلی بار موت کی سزا سے بچ جاتے تھے، لیکن ان کے خلاف دوبارہ اسی جرم کے ارتکاب کی گواہی مل جاتی تھی۔ ان دونوں گروہوں کو عام طور پر زندہ چھلایا جاتا تھا۔

ازیت خانے سے لے کر عدالت تک اور عدالت سے لے کر اُس چوک یا میدان تک جہاں مجرموں کو زندہ چلاسنے کی رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ محکمہ

آہستہ آہستہ اُپر کھینچے تو مزم کے پاؤں زمین سے اُٹھ جاتے تھے اور اس کا سارا وزن کھینچ کر طرف بندھے جئے بازوؤں پر آ جاتا تھا۔ پھر سترے کوڑا ڈھیل کر کے اُس سے سزاوات پوچھے جاتے تھے اور اعتراف گناہ کا مشورہ دیا جاتا تھا۔ اگر وہ اعتراف جرم نہ کرتا تو جلاوطن کر کے جھپٹ کے قریب جاتے پھر سزا پانے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جب مزم تیرہ بجے آتا تو سزا پانے کے لیے دیا جاتا۔ اس طرح ایک زبردست جھپٹ کیساتھ اس کا بازو اُٹھ کر جاتے ایک ناقابل برداشت تکلیف کی حالت میں مزم کو دوبارہ جلاوطن کے سوا کچھ جواب دینا پڑتا۔ اگر وہ اعتراف جرم پر آمادہ نہ ہوتا تو جھپٹ کی طرف کھینچے اور پھٹکے کے ساتھ نیچے گرانے کی شق دوبارہ دہرائی جاتی اور اس سزا کو مزید ازیت تک بنانے کیلئے مزم کے پاؤں کے ساتھ وزن باندھ دیا جاتا تھا۔ دیر چھٹکے کے ساتھ وزن میں اضافہ کیا جاتا تھا۔ پھر دردی شدت میں اضافہ کرنے کیلئے اوپر اور نیچے کا فاصلہ بڑھا دیا جاتا تھا۔ جب جلاوطن چھٹکے جاتے تو مزم کو فرش اور چھت کے درمیان کچھ درمیان چھوڑ دیا جاتا تھا۔ سوز و گھم میں مارن لگتا ہے کہ بعض اوقات سخت جان مزم کو تین گھنٹے میں دھنک کر چھٹکے جاتا تھا۔ جب وہ بیہوش ہو جاتے تھے تو ازیت کو دو تین دن کیلئے مٹوری کر دیا جاتا تھا۔ یہ شعل ٹھوسے ٹھوسے ٹھوسے کے بعد اس وقت تک جاری رہتا تھا جب تک کہ مزم اقرار جرم پر آمادہ نہیں ہو جاتا تھا۔ محکمہ استسار کے کلاک جلاوطن کی کارگزاری مزم کی عمر صحت، لنگھنے جانے اور معلق رکھنے کے اوقات اس کی ذہنی اور جسمانی حالت پر ان دھیان سزاؤں کی پوری تفصیلات لکھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد پانی کے ساتھ دی جانے

احتساب کے ملازم اس بات کی پوری کوشش کرتے تھے کہ سزا پانے والے اپنی موت سے پہلے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں۔ اگر کوئی آخری لمحات میں بھی راجوں کی خواہش کے مطابق کوئی ناکردہ گناہ اپنے سر لے لیتا تھا تو اسے اس فرمانبرداری کا یہ صلہ دیا جاتا تھا کہ جلاوطن کے نیچے کھڑا ہوتا تھا، آگ کے شعلے قریب آنے سے پہلے اُس کا گلا گھونٹ دیتا تھا یا گردن مروڑ کر ہلاک کر دیتا تھا۔ اور جلاوطنان کلیسا اس بات پر خوشیاں مناتے تھے کہ ان کی کوششوں نے ایک گناہ گار اپنی رُوح کی ہلاکت اور جہنم کے دائمی عذاب سے بچ گیا ہے۔

تور کیمڈ اپنی موت سے پہلے ایک ایسی بھیانک چٹانیاں کر چکا تھا جو اس

والی ازیت انتہائی ظالمانہ تھی اور محکمہ احتساب کو بہت پسند تھی۔ مزم کو ایک میٹر میٹاٹھنے پر لٹا دیا جاتا تھا۔ اس کا سر پاؤں سے ڈھانچے رکھا جاتا تھا اور چڑے کے نسلے کے ساتھ کس دیا جاتا تھا۔ پھر اسی طرح اس کے پاؤں ڈھانچے اور کھنٹے بھی چڑے کے نسلوں کے ساتھ کس دیے جاتے تھے۔ اس کے بعد نسلوں کے نیچے کڑیاں ڈال کر انھیں اس قدر بٹ دیا جاتا تھا کہ چڑے کے نسلے جلا کے اندر دھن کر ڈیوں تک پہنچتے تھے۔ اس کے باوجود اگر اس میں زندگی کے کوئی آثار رہ جاتے تھے تو اس کے نسلوں میں روٹی یا کپڑا ٹھونس دیا جاتا تھا۔ وہ سانس لینے کیلئے نہ کھولتا تھا تو جلاوطن کے ایک مہل محکمہ کا سر اس کے منہ میں ٹھونس دیتے تھے اور اوپر سے پانی گراتے تھے۔ یہ کپڑا کھینچے ہوئے سانس اور پانی کے دباؤ کی وجہ سے مقل کے اندر چلا جاتا تھا اور اس قدر پر کڑا تر کر چھوٹا جاتا تھا اسی قدر مزم کو سانس لینے میں دشواری محسوس ہوتی تھی۔ صرف اتنی برا اندازہ ہو سکتی تھی کہ وہ زندہ رہ سکتا تھا۔ کپڑے پر پانی مسل کر دیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی ٹھوسے ٹھوسے ٹھوسے کے بعد مزم کو اعتراف جرم کی دعوت دی جاتی تھی۔ جب وہ نزاع کے عالم میں محکمہ احتساب کی حسبِ مثال اپنے گناہوں کا اعتراف نہ کر لیتا تو کلرک اس کا بیان لکھ دیتے اور اسے تختے سے اُٹا کر اپنے بیان پر دستخط کرنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ اگر وہ انکار کرتا تو دوبارہ سزا شروع ہو جاتی تھی۔

کے بعد مسلسل دو صدیاں ملتی رہی۔ تو رکیز کی زندگی میں اس مہیب الاؤ کا ایندھن عام طور پر یہودی تھے، لیکن سقوط غرناطہ سے چند سال بعد وہ مسلمان بتدریج اس آگ کے شعلوں کی طرف دھکیلے جا رہے تھے جن کے ساتھ فرڈی نینڈ کے مسئلہ کی ایک اہم ترین شرط یہ تھی کہ کم از کم چالیس سال تک مغتوم علاقوں میں محکمہ اقتدار کی کسی قسم کی کارروائی کا اختیار نہیں ہوگا۔

بڑھتے ہوئے اندھیرے

سلطان ابو عبد اللہ کی ہجرت کو چار سال ہو چکے تھے اور اندلس کے لوگ اس کے متعلق صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ مراکش کے حکمران مولائے حسن کی فرج میں شامل ہو چکا ہے۔

الغبارہ میں وزیر البوائق اسم کے متعلق بھی کچھ عرصہ مختلف افواہیں مشہور ہوتی ہیں اور ہر نئی افواہ کے ساتھ اضطراب کی ہلکی ہلکی لہریں اٹھتیں لیکن چند دن بعد سکوت طاری ہو جاتا۔ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ لوگوں کی دلچسپی کم ہوتی تھی اور آخر یوں محسوس ہونے لگا جیسے — دو کبھی تھا ہی نہیں —

فرڈی نینڈ کی ہدایات کے مطابق غرناطہ کے گورنر مینڈوزا نے اہل شہر کو پُر امن رکھنے کے لیے جو نرم پالیسی اختیار کی تھی اور آرک بشپ ٹلاویرہ جس ظاہری رواداری سے کام لے رہا تھا، اس کے باعث اپنے مستقبل کے متعلق اہل شہر کے خدشات بہت حد تک دور ہو چکے تھے، لیکن ملکہ ازابیل اُن تک راہبوں کے زیر اثر تھی جنہیں مسلمانوں پر کلیسا کی مکمل فتح کے لیے ایک دن کی تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ وہ انہیں جبراً عیسائی بنانے اور اُن کی مساجد کو گرجوں میں تبدیل کرنے کے منصوبے تیار کر چکے تھے اور ملکہ کی ساری ہمدردیاں اُن کے

ساتھ تھیں، لیکن فرڈی نینڈ بناوت کے خوف سے کوئی سخت قدم اٹھانے سے گریز کرتا تھا۔



۱۲۹۹ء کے موسمِ خزاں میں غرناطہ میں فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کے ساتھ طلیطلہ کے آرک بشپ زمینیں کی آمد مسلمانوں کے لیے آلام و مصائب کے ایک نئے دور کا پیش خیمہ تھی۔ ڈومنگی فرقہ کے اس چھپا سٹھ سالہ راہب کے نزدیک دینِ صحیح کا بول بالا کرنے اور "گنہگار" انسانوں کو آخرت کے عذاب سے بچانے کا دادر طریقہ یہ تھا کہ انھیں موت سے پہلے ہی جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے۔

چار سال قبل طلیطلہ کا آرک بشپ ہونے تک اسے "سگودیا" کی خانقاہ میں ایک تارک الدنیا کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا۔ مسلسل ریاضتوں نے اسے زندگی کی ساری لطافتوں سے متنفر کر دیا تھا اور برسوں جسمانی اذیتیں برداشت کرنے کے باعث وہ رحم اور مروت کے جذبات سے یکسر عاری ہو چکا تھا۔ ملکہ ازابیلا اس کے زہد و تقویٰ سے بے حد مدعوب تھی اور کیتھولک مذہب کی ایک اہم رسم کے مطابق اس کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا کرتی تھی۔ اس نے فرڈی نینڈ کی خواہشات کے خلاف اسے طلیطلہ کا آرک بشپ مقرر کیا تھا۔

غرناطہ کی گلیوں اور بازاروں کی رونق سراسر زمینیں کی توقع کے خلاف تھی۔ اس نے وہ خوب صورت مساجد دیکھیں جہاں اب بھی پانچ وقت اللہ اکبر کی اذانیں سنائی دیتی تھیں۔ اس نے وہ سینکڑوں حمام

دیکھے جہاں مسلمان غسل کرتے تھے۔ اس نے غرناطہ کے کتب خانوں کے حالات معلوم کیے جہاں گزشتہ آٹھ سو سال کے علمی ذخیرے جمع تھے اور پھر نفرت کی وہ آگ جو برسوں سے اس کے سینے میں سلگ رہی تھی "اچانک بھڑک اٹھی۔"

فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا نے آئے ہی، سول اور فوجی حکام کو طلب کیا اور ان سے شہر اور گرد و نواح کے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں رپورٹ طلب کی۔ فرڈی نینڈ اس بات سے خوش تھا کہ غرناطہ کی طرح ہر جگہ حالات اطمینان بخش تھے اور سقوطِ غرناطہ کے بعد ملکہ نے جو خدشات محسوس کیے تھے، وہ غلط ثابت ہوئے ہیں۔ اندلس میں مسلمان اپنی شکست تسلیم کر چکے ہیں اور اب کسی بناوت کا خطرہ باقی نہیں۔ لیکن یہ صورت حال ملکہ ازابیلا کو مطمئن کرنے کے لیے کافی نہ تھی۔ وہ اس بات سے بہت پریشان تھی کہ مسلمان ابھی تک اپنے دین پر قائم ہیں اور اسی لیے وہ زمینیں کی طرف اپنی نظروں سے دیکھتی رہتی۔

پھر ایک دن اس نے غرناطہ کے گورنر اور آرک بشپ کی موجودگی میں فرڈی نینڈ کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے کہا "جب ہم نے غرناطہ فتح کیا تھا تو میری سب سے بڑی خواہش تھی کہ موت کے بعد مجھے انحراف میں دفن کیا جائے، لیکن اب سات سال بعد میں محسوس کر رہی ہوں کہ ہم نے صرف اپنی سلطنت کی وسعت میں اضافہ کیا ہے اور وہ مقصد جس کے لیے ہم نے یہ جنگ لڑی تھی، ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ غرناطہ میں ہمارے سپاہی دینِ مسیح کا بول بالا کرنے کی بجائے ہمارے دشمنوں کے گھروں پر پیرا دے رہے ہیں اور ہمارا گورنر اور آرک بشپ ان کی دھال بن چکے ہیں۔"

فرڈی نینڈ نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا "اگر فادر زیمینس نے غرناطہ کے گورنر اور آرک بشپ کے خلاف کوئی نئی شکایت پیش کی ہے تو آپ کو کھل کر بات کرنی چاہیے۔"

ملکہ بولی "فادر زیمینس کی شکایت بہت پرانی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ہم نے ان کی شکایت دُور نہ کی تو ہماری آئندہ نسلیں ہمارا مذاق اڑائیں گی۔ ہم نے سات سال قبل غرناطہ پر صلیب کے پرچم نصب کیے تھے لیکن میں آج گورنر مینڈوزا اور فادر تلامیرہ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس شہر میں اب تک کتنے مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا ہے، کتنے گرجے اور خانقاہیں تعمیر ہوئی ہیں؟ اور کیا ان لوگوں کو عیسائیت کے دامن میں پناہ دینا اور جہنم کی آگ سے بچانا ہماری اولین ذمہ داری نہیں؟"

فرڈی نینڈ نے جواب دیا "ملکہ عالیہ! میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہوں، مگر آپ کو یہ کیسے سمجھایا جائے کہ مسلمانوں کو غلام بنانے کے لیے صرف طاقت کی ضرورت تھی، لیکن انھیں عیسائی بنانے کے لیے حکمت اور دانائی کی ضرورت ہے۔ ان کی شاہرگ ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے، مگر ان کے دل مسخر کرنے کے لیے ہمیں صبر اور حوصلے سے کام لینا پڑے گا۔"

زیمینس کمرے میں داخل ہوا تو ملکہ نے منہ سے اتر کر اس کا استقبال کیا اور دو زانو ہو کر اس کی قبا کو بوسہ دیتے ہوئے بولی "مقدس باپ! تشریف رکھیے!"

زیمینس نے بے پروائی سے فرڈی نینڈ کی طرف دیکھا اور مینڈوزا کے دامن ہاتھ خالی کر سی پر بیٹھ گیا۔ ملکہ دوبارہ مسند پر آ بیٹھی۔ چند ثانیے کمرے

میں خاموشی چھائی رہی۔ بالآخر فرڈی نینڈ نے کہا "مقدس باپ! ملکہ عالیہ کو یہ شکایت ہے کہ آپ غرناطہ کے گورنر اور آرک بشپ کی کارگزاری سے مطمئن نہیں ہیں؟"

زیمینس نے جواب دیا "عالیجاہ! مجھے غرناطہ کے گورنر کے کاموں میں حوصلہ دینے کا کوئی حق نہیں، لیکن میرے معزز بھائی تلامیرہ کلیسا سے تعلق رکھتے ہیں اور کلیسا کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے اگر میں کسی معاملے میں کوئی مشورہ دینا چاہوں تو مجھے یقین ہے کہ وہ برا نہیں مانیں گے۔ بشپ تلامیرہ نے جواب دیا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کلیسا کی بھلائی کے لیے کوئی نیک مشورہ دیں اور میں اس پر عمل نہ کروں؟"

زیمینس نے فرڈی نینڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "عالیجاہ! میں یہاں بہت بڑی امیدیں لے کر آیا تھا، لیکن غرناطہ کے حالات دیکھ کر میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ کلیسا نے آپ کی عظیم فتح کے ساتھ جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہیں۔ اگر آپ غرناطہ میں مسلمانوں کی مساجد در سگاہیں اور کتب خانے دیکھیں تو آپ کو یہ یقین نہیں آئے گا کہ یہ شہر بھی آپ کی سلطنت کا حصہ ہے۔ ان کی رسومات، ان کی زبان اور رہن سہن کے طریقوں میں رتی بھر تبدیلی نہیں آئی۔ ان کے لباس دیکھ کر آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ وہ اب بھی غرناطہ کے حکمران ہیں۔ حکومت کی ناز برداری نے انھیں اس قدر مغرور کر دیا ہے کہ وہ کسی بڑے سے بڑے پادری کے سامنے بھی دو زانو ہونا پسند نہیں کرتے۔ میں فادر تلامیرہ کی شکایت نہیں کرتا کہ ان کا طرز عمل وہی ہو سکتا ہے جو حکومت کو پسند ہو لیکن عیسائیت کے ان باغیوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں کہ ان کی ناز برداری کی جائے اور ان کے ساتھ بحث کرنے کے

یہ عیسائیت کے مبلغین کو عربی زبان سیکھنے کی ترغیب دی جائے —
مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہوا کہ فادر تادیرہ نے 'جن پر ہر معاملے میں کلیسا کی برتری
ثابت کرنے کا فرض عاید ہوتا ہے' اس بڑھاپے میں عربی زبان سیکھی ہے تاکہ وہ
مسلمان علماء کے ساتھ بحث کر سکیں۔ میں عیسائیت کے معاملے میں ان لوگوں
کو بحث کی دعوت دینا ایک گناہ سمجھتا ہوں.....

عالیجاہ! اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ یہودی اپنے گھروں میں
عبرانی بولتے تھے اور گھروں سے باہر ہماری زبان میں گفتگو کرتے تھے، لیکن
اس کے باوجود ہمارے پادری انہیں دین مسیح کی برتری کا قائل نہ کر سکے۔ اگر ان
میں سے کوئی کسی دلچسپی میں آکر عیسائی ہو جاتا تھا، تو بھی اس کی ساری ہمدردیاں
اپنی قوم کے ساتھ ہوتی تھیں اور عیسائیت کے ساتھ اس کا تعلق محض نمائندگی
ہوتا تھا۔ یہ آپ اور ملکہ عالیہ کا ایک عظیم کارنامہ تھا کہ فرناطہ کی جنگ سے فارغ
ہوتے ہی آپ نے اس ملعون قوم کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ ان
کے لیے اسپین چھوڑنے یا عیسائیت قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔
وہ تھوڑی دیر کے لیے ٹکا اور پھر بولنے لگا "جو یہودی ملک چھوڑ کر
بھاگ گئے ہیں وہ کلیسا کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں اور جو کلیسا کو دھوکا
دینے کے لیے عیسائی بن گئے ہیں، ان کی اندرونی شیطنیت ختم کرنے کے لیے
محکمہ احتساب موجود ہے۔ وہ کسی دن یا تو دل سے عیسائی ہو جائیں گے، ورنہ ان
کے لیے جو چٹا محکمہ احتساب نے تیار کیا ہے، وہ اس وقت تک جلتی رہے
گی جب تک کہ ان کا ایک ایک بچہ بھسم نہیں ہو جاتا، لیکن مسلمانوں
نے متعلق آپ کا طرز عمل میرے لیے ناقابلِ نعم ہے۔ وہ جس آزادی اور بے فکری
کے دن گزار رہے ہیں، اس سے مجھے یہ خوف محسوس ہوتا ہے کہ جب ہم نہیں

ہوں گے تو ہماری آئندہ نسلیں انہیں قابلِ نفرت سمجھنے کی بجائے کہیں ان
کے طور طریقے ہی اختیار نہ کر لیں۔

فرڈی نینڈ نے ملکہ کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں زمینیں
کی تائید کر رہی تھیں۔ پھر قدرے توقف کے بعد وہ زمینیں سے مخاطب ہوا
"آپ کو یہ شکایت ہے کہ ہم نے یہودیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی جبراً عیسائی
کیوں نہیں بنایا، لیکن آپ یہ بھول جاتے ہیں کہ اسپین کے یہودی غیر مشروط
طور پر ہماری رعایا تھے، لیکن جن مسلمانوں کی سلطنتوں پر ہم نے قبضہ کیا ہے
ان کے ساتھ ہمارے اور اسپین کے سابق حکمرانوں کے تحریری معاہدے
موجود ہیں۔ ان معاہدوں میں اس بات کا حلفیہ وعدہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو
جو حقوق اور مراعات دی گئی ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور ان میں
سے بعض معاہدے تو ایسے بھی تھے جن کی توثیق پاپائے روم سے کرائی گئی تھی
اب فرناطہ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا، ہم نے اس کی ہر شرط
کا احترام کرنے کا حلف اٹھایا تھا۔ اس معاہدے کو کلیسا کی تائید بھی حاصل
تھی۔ ہمارے کسی بشپ کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اب آپ ہمیں یہ مشورہ
نہیں دے سکتے کہ ہم اپنے حلف نامے سے منحرف ہو جائیں۔ اور
اگر آپ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ مستقبل کے مورخ ہمارے متعلق
کیا کہیں گے تو بھی آپ کو اتنا ضرور سوچنا چاہیے کہ یہ بدعہدی مسلمانوں کے
کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگی۔ یہ قوم جس نے قریباً آٹھ سو سال اس
ملک میں حکومت کی ہے، یہودیوں سے بہت مختلف ہے۔ زخمی
دندے کا آخری حملہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ انہیں عیسائی بنانے کے
لیے میں آپ سے کم بے چین نہیں ہوں، لیکن زخمی شیر کی کھال اتارنے سے

نہ کروں تو یہ ناگھر گزاری ہوگی۔۔۔۔۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ عیسائیت کی تبلیغ کے کام کو اور زیادہ موثر بنانے کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ میرا مطلب نہیں کہ ہم مسلمانوں کو مشتعل کر کے آپ کے لیے کوئی الجھن پیدا کریں، لیکن اگر ہم انھیں یہ احساس دلا سکیں کہ اب اپنا مستقبل اسلام کی بجائے عیسائیت کے ساتھ وابستہ کرنے میں ان کا فائدہ ہے تو ہم بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

فرڈی نینڈ نے کہا: "اگر آپ قادر تلامذہ کو کوئی مفید مشورہ دے سکیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"عالیجاہ! اس نیک کام میں قادر تلامذہ کے ایک معادن کی حیثیت سے میں کچھ عرصہ نہیں رہنا چاہتا ہوں۔"

تلامذہ نے کہا: "آپ کی زناقت میرے لیے باعث سعادت ہوگی۔"

بادشاہ نے ملکہ کی طرف دیکھا تو وہ بولی: "ہمیں قادر زمینیں کی یہ درخواست نہیں کرنی چاہیے۔ غرناطہ کے کئی راجہوں نے مجھ سے ملاقات کی ہے کہ قادر تلامذہ کی کوششوں کو کامیاب کرنے کے لیے قادر زمینیں جیسے بزرگ کی نیک دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ کاؤ آف ٹیڈلا کو بھی ان کے یہاں ٹھہرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

گورنر نے سمجھی ہوئی آواز میں جواب دیا: "مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

فرڈی نینڈ نے کچھ سوچ کر کہا: "قادر زمینیں! میں آپ کی خواہش رد نہیں کر سکتا، لیکن آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ جلد بازی سے کام لے کر میرے لیے ایسے حالات پیدا نہیں کریں گے کہ مجھے فوج کے ساتھ

یہاں آنا پڑے۔"

زمینیں نے جواب دیا: "عالیجاہ! اگر آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں، تو میں اسی وقت واپس جانے کے لیے تیار ہوں۔ میں غلطی کے شبہ کے حقدار سے بھی مستغنی ہو جاؤں گا۔"

ملکہ ازابیلہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: "نہیں! نہیں!! مقدس باپ!!! ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"قادر زمینیں!" فرڈی نینڈ نے کہا: "اگر آپ یہاں رہ کر دین کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں تو میں آپ کو منع نہیں کر سکتا، لیکن آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اندلس کی خوشحالی کا زیادہ دار و مدار ان مسلمانوں پر ہے۔ ہماری کاشتکار دی، ہماری صنعت اور ہماری تجارت کی ترقی انہی کی محنت کا پھل ہے یہ جس جگہ آباد ہوتے ہیں، وہاں بجز زمینیں لہلہاتے کھیتوں اور باغوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کو پرامن طریقوں سے عیسائیت کی طرف راغب کر سکیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ اب تک غرناطہ اور الفخارہ سے ہزاروں لوگ ہجرت کر چکے ہیں اور جو لوگ یہاں رہ گئے ہیں، میں انھیں اپنی سلطنت کا قیمتی سرمایہ سمجھتا ہوں۔ اگر انھوں نے کسی بات سے خوف زدہ ہو کر ملک سے بھاگنا شروع کر دیا تو یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔ سلطنت کے قلاش ہو جانے سے کلیسا مضبوط نہیں ہو سکتا۔"

"عالیجاہ! میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد یہ مجلس درخواست ہو چکی تھی اور فرڈی نینڈ اپنی ملکہ سے کہہ رہا تھا: "میں آپ کی خواہش رد نہیں کر سکتا تھا۔ خدا کرے زمینیں آپ کی نیک توقعات پورا کر سکے، لیکن میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔"

عام حالات میں شاید کلیسا کے کسی اہل کار کو فرڈی نینڈ کے احکام سے سرتابی کی جرأت نہ ہوتی، لیکن ملکہ ازابیلا پر زمینیں کی پارسائی کا رعب چھایا ہوا تھا اور غناطہ کے حکام کی طرح کلیسا کے راہب بھی یہ جانتے تھے کہ اہل قسطلہ حکومت کے اختیارات میں اپنی ملکہ کو ارغون کے بادشاہ کے ساتھ صرف مساوی حیثیت ہی نہیں دیتے بلکہ ایک طاقت ور حلیف سمجھتے ہیں اور اُس کی نازبرداری کے بغیر فرڈی نینڈ نصرانی سلطنت کے دو اہم حصوں کو متحد نہیں رکھ سکتے۔

اگر ارغون کا بادشاہ ایک ہوشیار سیاست دان اور کامیاب سپاہی تھا تو قسطلہ کی سلطنت جو اسے ازابیلا کا شوہر ہونے کی وجہ سے ملی تھی اپنی دست اور آبادی کے لحاظ سے ارغون کی نسبت بڑی تھی۔ فرڈی نینڈ حتی الامکان ازابیلا کے جذباتی فیصلوں کی مخالفت کرتا، لیکن اگر کسی مسئلہ میں ملکہ کا اصرار جد سے بڑھ جاتا تو اس کی بھی کوشش ہوتی کہ ملکہ کے ساتھ تصادم کی صورت پیدا نہ ہو۔

چند دنوں تک زمینیں نے کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ مسلمانوں کے متعلق اس کے ارادے کیا ہیں۔ وہ بظاہر ٹھنڈے دل سے گرد و پیش کے حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا، لیکن جب فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے غناطہ سے اشبیلیہ کی طرف کوچ کیا تو اس نے بشتپ تلادیرہ کی طرف سے مسلمان علماء اور فقہاء کو یہ دعوت دی کہ ہمارے ایک قابل احترام بزرگ فرانسسکو زیمینس ڈی سنیروز، آپ کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنا چاہتے ہیں، اس لیے

آپ پر سول صبح ہوتے ہی ان کی قیام گاہ پر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ تیسرے دن بزرگانِ دین زمینیں کی قیام گاہ کے کشادہ صحن میں سائبان کے نیچے جمع ہو رہے تھے۔ تلادیرہ نے باری باری اُن کا تعارف کر دیا اور زمینیں نے ان کا خیر مقدم کرنے کے بعد بحث شروع کر دی۔

اہل غناطہ تلادیرہ کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے باتیں کرنے کے عادی تھے، لیکن زمینیں کی گفتگو نے انہیں جلد ہی یہ احساس دل دیا کہ وہ کسی اور ہی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ دین اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کی برتری ثابت کرنے پر زور دے رہا تھا اور اس کی زبان سے آگ برس رہی تھی۔ — محرر سیدہ علما کبھی اس کی یادہ گوئی پر ہیچ دبا کھاتے، کبھی اُس کے بھونڈے انداز پر مسکراتے کی کوشش کرتے اور کبھی نفرت سے منہ پھیر لیتے، لیکن کسی نے اس کے ساتھ بحث میں الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ — حاضرین میں سے اکثر ایسے تھے جو طلیطلہ کی زبان بہت کم جانتے تھے تاہم اُس کی گالیاں اور دھمکیاں کسی کی سمجھ سے بالا نہ تھیں۔ زمینیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد نڈھال ہو کر بیٹھ گیا اور فاتحانہ نگاہوں سے حاضرین کی طرف دیکھنے لگا۔

چند منٹ محفل پرستنا طاری رہا۔ پھر آہستہ آہستہ گنگ زبانیں ہلنے لگیں اور ایک دوسرے کو بے حسی اور بے غیرتی کے لئے دینے لگے۔ تلادیرہ نے آگے بڑھ کر زمینیں کے کان میں کچھ کہا اور وہ تملاکر بلند آواز میں چلایا، "نہیں! میں اپنی زبان میں ہی بات کر دوں گا" اور جو لوگ ہماری زبان نہیں جانتے، ان کے لیے اسپین میں کوئی جگہ نہیں۔ —

ایک خوب و نوجوان جو اپنے رنگ اور خدو خال سے ہر سپانوی معلوم ہوتا تھا، تڑپ کر اٹھا اور اس نے طلیطلہ کی زبان میں تقریر شروع کر دی۔ اس شعلہ بیان خطیب کا نام زلفیری تھا اور زمینیں اس کی تقریر میں کر آگ کے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اس نے کئی بار اس کو ٹوکنے کی کوشش کی، لیکن اس کی آواز اسلام کے اس پر جوش مبلغ کی آواز میں دب کر رہ گئی۔ جب اس کا جوش ڈھانٹتا ہوا تو زمینیں دونوں ہاتھ بند کرتے ہوئے چلایا "تم ایک ایسے مذہب کی وکالت کر رہے ہو جس کے لیے آدھس میں کوئی جگہ نہیں۔ عیسائیت کی صداقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم فارغ ہیں اور تمہارا دین تمہیں ہماری غلامی سے نہیں بچا سکتا۔ زلفیری نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "ہمیں اسلام سے انحراف کی سزا ملی ہے۔ ہم نے سلامتی کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔ جب ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر چلتے تھے تو اس خطہ زمین پر انسانیت کی ساری عظمتیں ہمارے قدموں میں تھیں۔ ہماری آزادی اور خوشحالی کی داستانیں اندلس کے کونے کونے میں بکھری ہوئی ہیں لیکن ہم اپنے خالق کے نافرمان بن گئے، تو وقت کی آمدھیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ اپنی عظیم سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ہماری سزا شروع ہو چکی تھی۔ ہم نے شہادت کی موت پر غلامی کی زندگی کو ترجیح دی اور آج ہماری بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ہم گالیاں دینے والوں کے سامنے احتجاج کا حق بھی نہیں رکھتے۔"

زمینیں نے بڑی مشکل سے اپنا عقدہ ضبط کرتے ہوئے کہا "میں ایک مذہباتی نوجوان کے ساتھ بحث میں الجھنا پسند نہیں کرتا۔ تم تھوڑی دیر میں کرو۔ تمہارے ساتھیوں سے فارغ ہو کر میں اطمینان سے تمہارے

ساتھ گفتگو کر سکوں گا۔"

ایک قاضی نے اٹھ کر کہا "جناب! اگر آپ کو اس نوجوان کی باتوں سے رنج ہو رہے تو ہم سب کی طرف سے معذرت قبول فرمائیے! آئندہ ہم آپ کی خدمت میں پیش ہونے والے علماء کے انتخاب میں زیادہ احتیاط سے کام لیں گے۔ ہمارا خیال تھا کہ زلفیری بحث میں حصہ لینے کی بجائے خاموشی سے آپ کے ارشادات سنے گا۔"

زلفیری نے جواب دیا "آپ کو معذرت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو میں سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔"

زمینیں نے اس تندست اور توانا جوان پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور ایک عالم نے اسی کا بازو کھینچ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے دبی زبان میں کہا: "خدا کے لیے خاموش رہو! یہ ایک دہندہ ہے اور دہندوں کے ساتھ بحث نہیں کی جاتی۔"

زمینیں نے دوبارہ گفتگو شروع کی تو اس کے لب و لہجے میں کافی نکلتا آچکی تھی اور غرناطہ کے علماء اس بات سے خوش نظر آتے تھے کہ ان کے ایک نوجوان ساتھی نے جرأت سے کام لے کر ایک متعصب پادری کا دماغ درست کر دیا ہے، لیکن جب مجلس پر غاصت ہوئی تو زمینیں نے ایک دیوہیکل سپاہی کو اشارہ کیا اور اس نے زلفیری کو روک لیا۔

زلفیری نے کڑا کر باہر نکلنے کی کوشش کی، لیکن اُس نے اُس کا بازو پکڑ کر کہا "تم مقدس باپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتے۔ بعض ساتھیوں نے زمینیں سے اس کی سفارش کی، لیکن اس کی ڈانٹ ڈپٹ سن کر وہ سب باہر نکل گئے۔"

زمینیں نے زلیغری کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے جس زندہ صفت آدمی کو منتخب کیا، اُس کا نام لیون تھا اور وہ اذیت رسانی کے ان سب طریقوں سے واقف تھا جو حکمہ اعتبار کے جلاوطن نے ایجاد کیے تھے۔ اُس نے زلیغری کی سزاؤں کی ابتدا مسلسل جھوک، پیاس اور کڑوں کی جسمانی اذیتوں سے کی، اسے رات رات بھر ٹھنڈے فرس پر لٹایا جاتا اور ایسے نوکر اس کے اوپر مقرر کیے جاتے جو اسے لمحہ بھر کے لیے بھی نہ سونے دیتے۔

ادھر چھب رات کے تیسرے پہر اُس کی دل ہلا دینے والی چغیں زمین و آسمان کو لرزاتیں تو سوائے ان راہبوں کے قہقروں کے اُس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں اس کا ساتھ دینے والا اور کوئی نہ ہوتا۔ بلاخر جب دو ہفتے بعد اسے زمینیں کے سامنے پیش کیا گیا اُس وقت وہ ہڈیوں کا ڈھانچا بن چکا تھا، اُس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اٹا اُس کے جسم کے زخموں سے پیپ کی بو آرہی تھی۔ زمینیں کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ بلاخر اس نے کہا "مجھ سے بحث کرو گے؟"

"نہیں!" زلیغری نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم نے سنا تھا کہ تم بہت بہادر ہو؟"

"میں قتل ہونے کے لیے تیار ہوں۔ اگر آپ میرے لیے پھانسی کا حکم دیں تو اسے بھی میں ایک احسان سمجھوں گا لیکن یہ سزا میری قوت برداشت سے

بہت زیادہ ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں بزدل ہوں؟
"لیکن تم ابھی تک مسلمان ہو؟"

زلیغری نے سر جھکا لیا اور لیون نے کہا "مقدس باپ! یہ تو بہ کر چکا ہے۔ یہ دین مسیح کا ایک معجزہ ہے کہ میری محنت و لگن انہیں گئی۔ زمینیں نے جواب طلب نگاہوں سے زلیغری کی طرف دیکھا اور اُس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "جناب! اگر آپ ہمارے ساتھ یہی سلوک کریں گے تو غرناطہ کی چار دیواری کے اندر کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا۔ برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے معجزہ تو یہ ہے کہ میں اب تک زندہ ہوں؟"

"تمہاری جسمانی تکالیف کے دن گزر چکے ہیں۔ اب تمہیں خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ ہم نے تمہاری روح کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا ہے۔"

زلیغری نے جواب دیا "اب میرے لیے خوشی اور غم کے الفاظ بے معنی ہیں۔ میں ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دوزخ کا عذاب دیکھ چکا ہوں اور یہ نہیں چاہتا کہ دوبارہ مجھے وہاں بھیج دیا جائے۔"

زمینیں نے لیون سے مخاطب ہو کر کہا "اسے لے جاؤ! بہترین کھانا دو اور علاج کے لیے کسی اچھے طبیب کا انتظام کرو، لیکن اصطباغ لینے سے پہلے اسے کسی مسلمان سے ملاقات کی اجازت نہیں۔"

زلیغری نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "اگر اصطباغ لینے کے بعد میں جی بھر کر سو سکوں تو میں آج ہی تیار ہوں۔"

"نہیں! میں یہ چاہتا ہوں کہ جن لوگوں کی موجودگی میں تم نے ہمارے ساتھ بحث کی تھی وہ اپنی آنکھوں سے دین مسیح کی کرامت دیکھیں۔ لیکن اس حالت میں تمہیں اُن کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اب جا کر آرام

کرد اور لیون کو اپنا خدمت گار سمجھو :

ایک ہفتے بعد زمینیں زلغیری کو اصطباغ دے رہا تھا — اور غراط کے علماء جنہیں اُس نے ایک معجزہ دکھانے کے لیے اپنے ہاں جمع کرنے کی دعوت دی تھی، سکتے کے عالم میں یہ تماشا دیکھ رہے تھے :

پتیسے کی رسم پوری ہوئی تو راہبوں نے ایک گیت شروع کر دیا۔ زمینیں کا اشارہ پاکر زلغیری بھی ان کے ساتھ منہ ہلانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اس کے حلق میں آواز نہ تھی۔ ستم رسیدہ اور مجروح انسانیت کی آخری پکار اُس کے سینے میں دب کر رہ گئی تھی اور اس کی نگاہیں اپنے بھائیوں کو یہ پیغام دے رہی تھیں : "میرے عزیزو! میری طرف مت دیکھو۔ میں سرچکا ہوں اور میرا جسم میری روح کی قبر بن چکا ہے۔ میں نے ذلت کے راستے پر قدم اٹھانے میں پہل کی ہے۔ تم میرے منہ پر تھوک سکتے ہو، لیکن کاش! تم میرے زخم بھی دیکھ سکتے۔ تم مجھے بُزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ دے سکتے ہو، لیکن تم میں سے کون ہے جس نے رات کے پچھلے پہر میری چٹخیں سنی ہیں اور میری جمانی اور ذہنی اذیتوں کا اندازہ کر سکتا ہے — میرے بزرگو! ہم سب مر چکے ہیں۔ ہم اسی دن مر گئے تھے جب ہم ظلم کے خلاف لڑنے کے حق سے دست بردار ہو گئے تھے، جب حامد بن زہرا قتل ہوا تھا اور ہم نے دشمن کے لیے اپنی آزادی کے آخری حصار کے دروازے کھول دیے تھے۔"

پھر جب زمینیں نے تقریر شروع کی تو اس کا لب و لہجہ پہلے سے کہیں زیادہ سخت تھا اور اُس کی گالیاں مٹنے والوں کا احتجاج صرف بے بسی کے آنسوؤں تک محدود تھا۔

Scanned by iqbalmt

راہبوں کی سلطنت

اگلے دن غراط کا گورنر اور آرک بشپ زمینیں کو یہ سمجھا رہے تھے کہ آپ کو اس قدر جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے نتائج بہت خطرناک ہو سکتے ہیں، لیکن اس جنونی راہب کا ایک ہی جواب تھا : "حکومت سیاسی معاملات میں مصلحت سے کام لے سکتی ہے، لیکن مذہب کے معاملات میں کوئی تاخیر برداشت نہیں کی جاسکتی۔"

اور دو دن بعد زمینیں نے راہبوں کے ایک گروہ کے ساتھ البسین کا رخ کیا۔ گورنر کی طرف سے دو سو مسلح سپاہی جلوس کی حفاظت پر مبعین تھے۔ وہ البسین کی جامع مسجد میں داخل ہوا اور پہرے داروں نے بد امنی کے اندیش سے دروازے کے سامنے صفیں باندھ لیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد یہ خبر غراط کے طول و عرض میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ خانہ خدا کو گر جانا دیا گیا ہے اور منبر کی جگہ عیسیٰ اور مریم کے بت نصب کر دیے گئے ہیں۔

گورنر نے بد امنی کے پیش نظر مسلح سواروں کے مزید دستے بھیج دیے۔ جن سر پھروں نے مسجد تک پہنچنے کی کوشش کی وہ اپنے راستے میں نیزوں کی دیواریں دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔

مسجد پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی زمینیں نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی مہم نئے جوش و خروش کے ساتھ شروع کر دی۔ ایک دن راہبوں نے پولیس کی مدد سے ہسپانوی نسل کے مسلمانوں کی آبادی پر چھاپہ مارا اور ایک ہزار آدمیوں کو گھروں سے نکال کر زمینیں کے سامنے لے گئے اور پھر انھیں لنگی ٹواروں کے پہرے میں اصطبار دیا جا رہا تھا۔

چند آدمیوں نے احتجاج کیا تو کلیسا کے سپاہی انھیں پکڑ کر قریب خانوں میں لے گئے اور ان کے ساتھیوں کو زبان کھولنے کی جرات نہ ہوئی، اور اس کے بعد وہ شرمناک واقعات پیش آئے جن کا ذکر کرتے ہوئے یورپ کے عیسائی مؤرخ بھی مذمت محسوس کرتے ہیں۔



زمینیں کے نزدیک مسلمانوں کے علمی ذخیرے عیسائیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے اور یہ ایک ایسا وارث تھا جس پر مسلمان ناز کر سکتے تھے۔ قدیم سرکاری کتب خانے اور درس گاہیں ناپاک کتابوں سے بھری ہوئی تھیں اور غرناطہ کا معمولی آدمی بھی اس بات پر فخر کر سکتا تھا کہ اس کے گھر میں قرآن پاک کے علاوہ مختلف علوم پر کئی کتابیں موجود ہیں۔

زمینیں قرآن پاک کی طرح عربی زبان کی ہر کتاب کو عیسائیت کے مستقبل کے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے کتابوں کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کرنے کے لیے سب سے پہلے ان لوگوں کی طرف توجہ دی جنھیں عبرائے عیسائی بنایا گیا تھا اور انھیں یہ حکم دیا کہ وہ عربی کی ہر کتاب کلیسا کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ جس مجبوری نے ان بد قسمت لوگوں کو مرتد ہونے پر مجبور کر دیا تھا

اسی مجبوری کے تحت انھیں زمینیں کے اس حکم کی تعمیل بھی کرنی پڑی۔ پھر جو کتابیں اُن سے دستیاب ہوئیں، انھیں ایک چوراہے میں جمع کر کے آگ لگا دی گئی اور ان واقعات کے بعد زمینیں کی جرات بڑھتی گئی۔

غرناطہ کا گورنر زمینیں کی اس کارگزاری سے خوش نہ تھا لیکن اسے ایک ایسے آدمی کو ناراض کرنے کی جرات نہ تھی جسے ملکہ ازابلہ کی حمایت حاصل تھی۔ وہ فردی نینڈ کے سامنے اپنے دل کی جبر اس تو کمال سکتا تھا لیکن وہ یہ بھی بخوبی سمجھتا تھا کہ علیحدگی کی ملکہ کو ناراض کرنے کے بعد وہ محض فردی نینڈ کی حمایت کے بل بوتے پر غرناطہ کا گورنر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ وہ حکومت کے سول اور فوجی افسروں سے کہا کرتا تھا:

”میں جانتا ہوں کہ یہ ضدی راہب آگ سے کھیل رہا ہے لیکن وہ ملکہ کا خاص آدمی ہے اور اُس کے ساتھ تعاون اور اس کی حفاظت کرنا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔“

چنانچہ جب زمینیں نے عبرائے عیسائی بنائے گئے مسلمانوں کے کتب خانوں اور ان کے گھروں کی تلاشی لینا شروع کی تو فوج اور پولیس کو کلیسا کے پادریوں کی اعانت کے لیے میدان میں آنا پڑا۔ پہلے دھند دھچکی محلے میں یہ اعلان کرتے تھے کہ لوگ رضا کارانہ طور پر اپنی کتابیں کلیسا کے پاس جمع کر دیں، ورنہ قابل اعتراض کتابیں چھین لی جائیں گی اور باقی انھیں واپس کر دی جائیں گی۔ فلاں تاریخ کے بعد اُن کی تلاشی لی جائے گی اور اگر کسی نے کلیسا کی اجازت کے بغیر کوئی کتاب رکھی تو اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی۔

لوگوں نے ہزاروں کتابیں رضا کارانہ طور پر کلیسا کے راہبوں کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد ہزاروں کتابیں ان سے زبردستی چھین لی گئیں

جب یہ راہب مسلح آدمیوں کے ساتھ کسی گھر میں داخل ہوئے تھے تو مسلمان سب سے پہلے قرآن مجید کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن یہی وہ کتاب تھی جسے زمینیں سب سے زیادہ قابل اعتراض سمجھتا تھا۔

مسلمان احتجاج کرتے، لیکن یہ احتجاج بھی عورتوں کی چیخوں اور مردوں کے آنسوؤں تک محدود رہتا۔ قرآن مجید کے جو نسخے فرزند ان تالیف کے ہاتھ آتے انھیں بیل گاڑیوں پر لا کر ایک کشادہ عمارت میں پہنچا دیا جاتا جو پہلے مسلمانوں کی درس گاہ تھی اور اب کلیسا کے اس دفتر میں تبدیلی ہو چکی تھی جہاں سینکڑوں پادریوں کو ان کتابوں کی چھان بین میں مصروف رکھا جاتا تھا۔

زمینیں بذات خود اس کام کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ قرآن پاک کو عام کتب سے علیحدہ کرنا ان کے لیے مشکل نہ تھا۔ پادری کسی کتاب کو کھول کر دیکھنے یا پڑھنے کی بجائے دور سے اس کا صاف ستھرا غلاف دیکھ کر ہی یہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ قرآن ہے اور اسے ایک طرف پھینک دیا جاتا تھا۔ باقی کتابوں کے متعلق بھی انھیں کسی چھان بین کی ضرورت نہ تھی۔

ان کے نزدیک عربی خالصتاً مسلمانوں کی زبان تھی اور عربی کی ہر کتاب قابل اعتراض سمجھی جاتی تھی۔

ہر روز طلوع سحر سے لے کر غروب آفتاب تک کتابوں سے بھرے ہوئے چھکڑے اس جگہ لائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کشادہ عمارت کے کمروں کے علاوہ صحن میں بھی انبار لگ چکے تھے۔



اور پھر ایک دن لوگوں نے دیکھا — شہر کے ایک کشادہ

جو راہب پر ایک مہیب الاؤ روشن ہو گیا تھا —
قرآن پاک اور دوسری کتابوں سے لدے پھندے چھکڑے
یکے بعد دیگرے نمودار ہو رہے تھے اور وہ اپنا یہ سامان اس الاؤ کے قریب لالا
کر ڈھیر کر رہے تھے۔

اور آخر میں وہ پادری آگے بڑھے جن کی حفاظت کے لیے مسلح سپاہی
صفیں باندھے کھڑے تھے — وہ ان ڈھیروں کو اٹھا اٹھا کر اس
آگ کا پیٹ بھرنے لگے۔

مسلمان، جنھیں گھروں سے نکلنے کی اجازت نہ تھی — اپنے
مکانوں کی چھتوں پر کھڑے یہ دلگداز مناظر دیکھ رہے تھے۔ دختران اسلام
اپنے بال نوچ رہی تھیں۔ ان کے شوہر اور بھائی رو رہے تھے، لیکن بے بسی
کے آنسو اس آگ کو نہ بجھا سکے — آٹھ صدیوں کے تہذیب و تمدن کی
یہ چتا مسلسل دو دن جلتی رہی۔

تیسرے روز ایندھن کے ذخائر جو کئی ہفتوں کی محنت سے جمع
کیے گئے تھے، ختم ہو چکے تھے اور آگ جلانے والے پادری اور مسلح سپاہی
اپنا کام ختم کر کے واپس چلے گئے تو پہلے آس پاس کے مسلمان اپنے
گھروں سے باہر نکلے اور پھر شام تک غرناطہ کے باقی علاقوں کے باشندے
بھی وہاں جمع ہو چکے تھے۔ وہ بھی ہوئی راکھ اٹھا اٹھا کر اپنی آنکھوں سے
لگا رہے تھے۔

ایک نوجوان چلایا "مسلمانو! یہ ظلم و وحشت کے اس دور کی ابتدا
ہے، جس سے تمھیں حامد بن زہرا نے خبردار کیا تھا۔ ہمارا عذاب شروع ہو چکا
ہے۔ تمھارے سامنے قرآن جلا گیا ہے، لیکن راکھ کے اس انبار کو دیکھ کر

یہ مت سمجھو کہ کلیسا کی آگ بجھ چکی ہے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اب اندلس کے ہر شہر میں ایسے الاؤ جلائے جائیں گے اور تم نے جس بے بسی کی حالت میں اللہ کی کتاب کو جلتا دیکھا ہے، اس سے کہیں زیادہ بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں تمہاری بیٹیاں اپنے بھائیوں اور شوہروں اور تمہارے معصوم بچے اپنے والدین کو آگ میں جھسہ ہوتا دیکھیں گے؟



اگلی صبح الجمرہ کے ایک کسے میں غرناطہ کا آگ ریشپ تلادیرہ اور گورز مینڈوا کاؤنٹ آف ٹنڈیلاگز ششہ رات کے واقعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ ریشپ تلادیرہ کہہ رہا تھا، "جناب! آپ کا پیغام ملتے ہی میں فادر زیمینس کے پاس گیا تھا، لیکن وہ سو رہے تھے۔ ان کے نوکر کہتے تھے کہ وہ تھکاوٹ سے چور ہو کر گھر آئے تھے اور کھانا کھاتے ہی لیٹ گئے تھے۔ میں انہیں تاکہ کر آیا تھا کہ وہ اٹھتے ہی یہاں پہنچ جائیں، اور میرا خیال تھا کہ اب تک آپ سے ملاقات کر چکے ہوں گے۔"

مینڈوزا نے کہا، "خدا کا شکر ہے کہ وہ سو رہے تھے، ورنہ اگر وہ شہر کے حالات سے باخبر ہوتے تو ہمارے لیے کوئی اور مصیبت کھڑی کر دیتے!"

کچھ دیر کرنے میں خاموشی طاری رہی، پھر مینڈوزا نے کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹھٹھٹا شروع کر دیا۔

ایک افسر کمرے میں داخل ہوا، "جناب! فادر زیمینس تشریف لا رہے ہیں۔"

کاؤنٹ آف ٹنڈیلا اپنی کرسی پر بیٹھ کر ریشپ تلادیرہ سے مخاطب ہوا، "میرے خیال میں ان سے بحث کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ بر قسمی سے بادشاہ سلامت اور ملکہ عالیہ اشجیلیہ سے طلیطلہ دوونہ ہو چکے ہیں اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کرتا۔"

زیمینس کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا، "معاف کیجیے! میں آج بہت دیر سویا ہوں۔ اگر کوئی ضروری بات تھی تو فادر تلادیرہ کو چاہیے تھا کہ مجھے جگا دیتے؟"

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" مینڈوزا نے سوال کیا۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر چکا ہے۔"

گورز نے کہا، "میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ کی ان تھک کوششوں سے جو الاؤ تیار ہوا تھا، وہ بہت بڑا تھا۔ میں الجمرہ سے آگ کے شعلے دیکھ سکتا تھا۔"

"جناب! کلیسا کی کامیابی آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھی۔ میں ملکہ کو لکھ رہا ہوں کہ میں آپ کے ہر سپاہی کو انعام کا مستحق سمجھتا ہوں لیکن ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا۔ مجھے ڈرتے کہ مسلمانوں نے بعض کتابیں چھپا کر رکھ لی ہیں۔ کئی گھرا لیے بھی ہو سکتے ہیں، جن میں ابھی تک قرآن کی جلدیں موجود ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اسی طرح تعاون کرتے رہے تو جب بادشاہ اور ملکہ دوسری مرتبہ یہاں تشریف لائیں گے تو میں پورے وثوق سے یہ کہہ سکوں گا کہ اب غرناطہ میں عربی زبان کی کوئی کتاب باقی نہیں رہی۔"

لے دہ حاضر کا ایک مورخ ہنری کامان HENRY KAMAN اپنی تصنیف (باقی اگلے صفحہ)

میلڈوزا نے جواب دیا "آپ سے تعاون کرنا میرے لیے ایک
مجبوری ہے"

زمینیں بولا "آپ اس بات سے خوش نہیں معلوم ہوتے — آپ
کو یہ اعتراض تھا کہ میں جلد بازی سے کام لے رہا ہوں، لیکن میں نے یہ ثابت
کر دیا ہے کہ آپ محض ایک فرضی خطرے سے پریشان تھے — ہم نے
صرف ان کی کتابیں ہی نہیں جلائی بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے مذہب کو
ان کے مذہب پر برتری حاصل ہو چکی ہے۔ جو کتابیں انھوں نے چھپا رکھی ہیں،
ان کے متعلق میں قطعاً پریشان نہیں ہوں — آپ یہ دیکھ چکے ہیں کہ ان
کی مدافعت قوت ختم ہو چکی ہے۔ اب ہم اطمینان سے ہر آدمی کی تلاش سے لے سکتے
ہیں اور ہمارے پادریوں کو ان کے گھر میں داخل ہونے کے لیے فوج اور
پولیس کے تعاون کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ غرناطہ کے مسلمان ہمارے
راستے کا آخری پتھر تھے اور ان کی مزاحمت کے خوف سے ہمارے حکمرانوں
کو ان ریاستوں میں بھی عیسائیت کے غلبہ کے لیے کوئی پرجوش قدم اٹھانے
کی جرأت نہ ہوئی، جو ہم نے صدیوں قبل فتح کی تھیں لیکن میں نے ثابت کر دیا ہے
کہ وہ غلطی پر تھے۔"

(بقیہ فٹ نوٹ) SPANISH INQUISITION میں یہ اعتراف کرتا ہے کہ زمینیں
کے حکم سے غرناطہ میں دس لاکھ پانچ ہزار کتابیں نذرِ آتش کی گئی تھیں —
مرن طب، ریاضی، کیمیا اور دوسرے سائنسی حکوم پر تین سو کتابیں ایسی تھیں
جنہیں اس تنگ نظر راہب نے عیسائیوں کے لیے سودمند سمجھ کر القلم و سوزنی کے
پر کر دیا تھا۔

اندلس کے مسلمانوں کو اپنے ماضی پر فخر تھا، وہ ان کتابوں کو سینے سے لگائے
ہوئے تھے جس کی بدولت اپنے ماضی کے ساتھ ان کے رشتے قائم رہ سکتے
تھے لیکن ہم نے یہ رشتے توڑ دیے ہیں۔ ان کا غرور اُسی لاد کی راگھ کے نیچے
دفن ہو چکا ہے، جہاں ہم نے ان کے قرآن جلائے ہیں۔
میلڈوزا نے کہا "آپ نے راگھ کا وہ انبار دیکھا ہے؟"
"ہاں! میں شام تک وہیں تھا۔ آگ بجھ چکی تھی، لیکن راگھ ابھی تک
گرم تھی۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ جب رات کے وقت آپ گہری نیند سو رہے
تھے تو مسلمان کیا کر رہے تھے؟"

"میں نے کسی سے یہ نہیں پوچھا۔ میں بستر سے اٹھتے ہی سیدھا آپ
کے پاس آ گیا ہوں، لیکن مجھے یقین ہے کہ شہر میں بد امنی نہیں ہوئی۔
میں نے یہ اطلاع دینے کے لیے آپ کو یہاں بلایا تھا کہ جب تھکے
ہوئے سپاہی وہاں سے ہٹ گئے تو مسلمان گھروں سے نکل کر چوراہے میں آ
گئے تھے اور صبح ہونے سے قبل راگھ کا انبار وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔"
"راگھ کا انبار غائب ہو چکا تھا؟" زمینیں نے حیرت زدہ ہو کر سوال
کیا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آپ خوش قسمت ہیں کہ جب سارے شہر میں کراہ مچا ہوا تھا اور میرے
پاس ایک ایک پل کی خبریں آ رہی تھیں تو آپ اور آپ کے پادری آرام سے سو
رہے تھے۔"

"اگر انھوں نے کوئی فساد کیا تھا تو فوج انھیں آسانی سے کچل سکتی تھی۔"
"انھوں نے کوئی فساد نہیں کیا اور آپ نے فوج کو اس قدر تھکا دیا تھا

کہ اگر کوئی بذامنی ہوتی تو بھی وہ کچھ نہ کر سکتے۔

”تو پھر آپ کس بات سے پریشان ہیں؟“

”میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مہیب اللہ جو آپ نے روشن کیا تھا مجھ چکا ہے اور جب آپ آرام کی فینڈ سوراہے تھے تو مسلمان اپنی کتابوں کی راکھ اٹھا کر دریا کا رخ کر رہے تھے اور صبح تک وہ ساری راکھ دریا میں بہا چکے تھے لیکن جو آگ ان کے سینوں میں سلگ رہی ہے، میں یہاں بیٹھے بیٹھے اس کی حرارت محسوس کر رہا ہوں اور میں اس لیے پریشان ہوں کہ اسے بجھانے کی ذمہ داری تنہا میرے سر ڈال دی جائے گی۔“

زمینیں نے اپنے اضطراب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”شہر کے محافظوں نے انھیں اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ راکھ اٹھا کر دریا کی طرف لے جائیں!“

”شہر کے محافظوں کو یہ معلوم تھا کہ وہ ہزاروں انسانوں کا راستہ نہیں روک سکتے جو زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔“ شہر کو بذامنی سے بچانا ان کی پہلی ذمہ داری تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ کسی ہوشیار راہنمائے مسلمانوں کے اشتعال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی، ورنہ مجھے انتہائی خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اب بھی مجھے معلوم نہیں کہ آپ میرے لیے کتنے اور مسائل پیدا کریں گے اور کون سا قباہل میں اس واقعہ کا رد عمل کتنا شدید ہوگا۔ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگ دریا سے واپس آنے کی بجائے انفجار کی طرف نکل گئے ہیں۔ اب سلطنت پر آپ کا سب سے بڑا احسان یہی ہو سکتا ہے کہ آپ چند دن اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔ بادشاہ اور ملکہ آپ کی بے حد عزت کرتے ہیں لیکن وہ یہ پسند نہیں

کریں گے کہ انھیں ایک جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنی پڑے۔“

”جناب! کلیسا کے خادم اپنے عیسائی حکمرانوں کے دشمن نہیں ہو سکتے۔ آپ مطمئن رہیں جب تک مجھے اپنی کامیابی کے متعلق پورا پورا اطمینان نہیں ہوگا، میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤں گا جو آپ کے لیے کسی ابھرنے کا باعث ہو۔“

مینڈوزا نے اٹھتے ہوئے کہا ”میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب مجھے تھوڑی دیر آرام کرنے کا موقع دیجیے! میں نے ساری رات آنکھوں میں کائی ہے۔“ مینڈوزا دوسرے کمرے میں چلا گیا اور زمینیں نے تلویح کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے قدم قدم پر آپ کے نیک مشوروں کی ضرورت پیش آنے لگی۔“



ایک ہفتہ اور گزر گیا اور زمینیں کو شہر سے کسی ناخوشگوار واقعے کی اطلاع نہ ملی، لیکن وہ اس بات سے بہت مضطرب تھا کہ مسلمانوں کی مساجد پہلے سے زیادہ پُر رونق ہیں۔

غرضاط میں قرآن کے حافظوں کی کمی نہ تھی اور صبح دشاں ہر گلی کو پچھے میں خوش الحان قاریوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ کلیسا کے جاسوس مسلمانوں کے بھیس میں مساجد اور دسگاہوں میں جاتے اور زمینیں کو اس قسم کی اطلاعات دیتے ”مقدس باپ! مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں اب ان کی مساجد میں ساری ساری رات تلاوت ہوتی ہے۔ فلاں مسجد میں نو عمر لڑکے باری باری قرآن سنا رہے تھے اور ہزاروں لوگ رو رہے تھے۔“

مردوں کی طرح کئی عورتوں کو بھی قرآن حفظ ہے اور وہ گھر گھر جا کر کس لڑکے کو درس دیتی ہیں۔ مقدس باپ! ہم اُن کے کتب خانے نذر آتش کرنے کے باوجود ان کے دلوں میں اس کتاب کی محبت کم نہیں کر سکے جسے وہ خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔ اُن میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہیں قرآن کی طرح کئی اور مذہبی کتابیں بھی زبانی یاد ہیں۔

زمینیں ان سے سُنا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔

اس کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ جن مسلمانوں کو اس نے زبردستی مرتد کیا تھا، وہ تائب ہو رہے تھے اور صلح کے معاہدے میں فروڈی نینڈ اور ازابیلا کلیسا کی طرف سے اس بات کی ضمانت دے چکے تھے کہ جو لوگ تبدیلی مذہب کے بعد پھر مسلمان ہو جائیں گے، وہ محکمہ احتساب کے دائرہ اختیار میں نہیں آئیں گے۔

زمینیں کسی ایسے معاہدے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا جس سے کلیسا کے اختیارات محدود ہوتے ہوں، اُس کا موقف یہ تھا کہ ایک بار عیسائیت قبول کرنے والے ہمیشہ عیسائی رہیں گے اور منحرف ہو جانے کی صورت میں اُن پر محکمہ احتساب کو مقدمات چلانے کا حق حاصل ہے۔

چنانچہ اس نے اسپین کے محاسب اعظم ڈائیگو ڈیزا سے وہ اختیارات حاصل کر لیے جس کی دوسرے وہ عیسائیت سے روگردانی کرنے والوں کو گرفتار کر کے اذیت خانوں میں بھیج سکتا تھا۔ اس کے بعد اہل غرناطہ ظلم و تشدد کا نیا دور دیکھ رہے تھے اور اُن کی یہ خوش فہمیاں دور ہو چکی تھیں کہ عیسائی حکمران کلیسا کی خواہشات کے خلاف معاہدے کی کسی شرط کا احترام کریں گے۔

زمینیں نے سب سے پہلے ان لوگوں پر ہاتھ ڈالا جن پر یہ الزام تھا کہ وہ

عیسائیت قبول کرنے کے بعد پھر اسلام کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ انہیں گرفتار کر کے اذیت خانوں میں بھیج دیا جاتا اور ہاں اُن پر اس قدر سختیاں کی جاتیں کہ ایک کمزور آدمی اپنے گناہ کا اعتراف کرنے کے علاوہ پورے کنبے کے خلاف کلیسا کی حسب فضا گواہی دینے پر مجبور ہو جاتا، کلیسا کے نئے اسیروں کے خلاف مقدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا۔

کچھ عرصہ غرناطہ کی حکومت پر مسلمانوں کا اندرونی اضطراب ظاہر نہ ہو سکا اور زمینیں اس بات سے خوش تھا کہ اُس کے راہب چوراہوں میں کھڑے ہو کر اُن کے دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے بزرگوں کے خلاف بدکلامی کرتے ہیں اور کسی کو اُن کے ساتھ اُلجھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

اگر مسلمانوں کی طرف سے کسی مزاحمت کا خدشہ ہوتا تو گورنر مینڈوزا یقیناً اس جنونی راہب کے راستے میں مزاحم ہو جاتا، لیکن اب کوئی یہ سوچنے کے لیے بھی تیار نہ تھا کہ اس کبھی ہوئی راکھ کے اندر کچھ چنگاریاں ابھی تک سبک رہی ہیں۔

پھر اچانک ایک ایسا دالہ پیش آیا جو سب کی توقع کے خلاف تھا۔ ایک دن دو سپاہی جن میں ایک زمینیں کا نوکر اور دوسرا فوجی ملازم تھا، ایک نوجوان لڑکی کو زبردستی پھر کر لے جا رہے تھے، جب وہ اہسین کے بڑے چوک میں پہنچے تو چند آدمی لڑکی کی بچھڑی پکار کر وہاں جمع ہو گئے۔

وہ چلا رہی تھی "میرے بھائیو! میں مسلمان ہوں اور یہ نصرانی مجھے زبردستی مرتد کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے ان ظالموں سے بچاؤ! میں تمہاری بیٹی ہوں! تمہاری بہن ہوں! تم کیا دیکھ رہے ہو! تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے؟" مسلمانوں نے ان کا راستہ روک لیا اور تھوڑی دیر میں وہاں انسانوں

کا ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ ایک نوجوان نے گرفتار کرنے والوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن ایک قوی ہیکل سپاہی جس نے لڑکی کے سر کے بال پکڑ رکھے تھے اداہنی سخت گیری کے باعث کافی مشہور ہو چکا تھا، آپسے سے باہر ہو گیا اور اس نے اسلام کے نام لیواؤں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

ایک آدمی نے طیش میں آکر اس کے سر پر پتھر دے مارا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا نصرانی جو زمینیں کا ذاتی نوکر تھا، اپنے ساتھی کی لاش چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

پھر ایک شعلہ نوا خطیب نے تقریر کی اور مشتعل ہجوم نعرے لگاتا ہوا زمینیں کی قیام گاہ کی طرف چل پڑا، لیکن اس عرصہ میں مینڈوزا کو عوام کے جوش و خروش کی اطلاع مل چکی تھی اور الحرام سے فوج کے چند دستے زمینیں کی حفاظت کے لیے پہنچ چکے تھے۔

علمہ آدھ رات بھر تیروں کی بارش میں مکان کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ علی الصباح مینڈوزا تازہ دم فوج لے کر پہنچ گیا اور مسلمان مکان کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے لیکن شہر کی فسادیں روز تک ٹھیک نہ ہو سکی۔ مسلمانوں کی تسخیر ٹوئیاں دن رات شہر میں گشت کرتی تھیں اور کسی نصرانی راہب یا سپاہی کو ان کے سامنے آنے کی جرأت نہ تھی۔

اس عرصہ میں مینڈوزا نے اپنے ایجنٹوں کی معرفت مسلمانوں کے اکابر سے رابطہ پیدا کیا اور انھیں دھمکی دی کہ میں باہر سے افواج منگوا رہا ہوں اگر مسلمانوں نے ان کی آمد سے پہلے ہی اطاعت قبول نہ کر لی تو انھیں ناقابل بیان سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مسلمانوں نے انھیں جواب دیا اس فساد کے ذمہ دار ہم نہیں بلکہ وہ

لوگ ہیں جو معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور جب تک حکومت ایسے لوگوں کا سد باب نہیں کرتی، اس معاہدے کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم صرف اس صورت میں ہتھیار ڈال سکتے ہیں جب کہ ہمیں حکومت کی نیت کے متعلق پورا اطمینان ہو جائے!

لیکن مینڈوزا کو اصرار تھا کہ وہ مسلمانوں سے صرف اسی صورت میں کوئی وعدہ کر سکتا ہے جب کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔

بالآخر بشپ تلادیرہ نے قدرے جرأت سے کام لیا اور ایک صبح وہ چند پادریوں اور غیر مسلح سپاہیوں کے ساتھ باب النبوت میں جا پہنچا اور مسلمانوں کا مشتعل ہجوم اسے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ تلادیرہ ان کے لیڈروں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ گورنر مینڈوزا بھی تیر اندازوں کے چند دستوں کے ساتھ پہنچ گیا۔

وہ تیر اندازوں کو ہجوم سے کچھ دور رکھنے کا حکم دے کر آگے بڑھا اور اپنی ٹوپی اتار کر ہجوم کے آگے پھینک دی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ صلح کے ارادے سے آیا ہے۔ ایک بزرگ صورت مسلمان نے اس کی ٹوپی اٹھا کر گرد جھاڑنے کے بعد اسے واپس کر دی اور یوں ایک عارضی صلح ہو گئی۔

گورنر مینڈوزا نے ہتھیار ڈالنے والوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا "مجھے معلوم ہے کہ تم حکومت کے باغی نہیں ہو۔ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ آئندہ معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہو اور میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ آئندہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔"

لے غریب کے ایک کشادہ چوک کا نام۔

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا "آپ اس بات کی ذمہ داری لے سکتے ہیں کہ آئندہ ہمیں جبراً عیسائی بنانے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ غرناطہ میں محکمہ احتساب کے اذیت خانے بند کر دیے جائیں گے اور زمینیں سے وہ تمام اختیارات واپس لے لیے جائیں گے جن سے معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی ہے؟"

"میری ذمہ داری یہ ہے کہ غرناطہ میں امن قائم کیا جائے۔" مینڈورانے جواب دیا "اور مجھے یقین ہے کہ میرے ہر اقدام کو بادشاہ اور ملکہ کی تائید حاصل ہوگی۔ جب انہیں معلوم ہوگا کہ زمینیں نے تمہاری دل آزاری کے لیے جو اقدامات کیے تھے، وہ سراسر معاہدے کے خلاف تھے اور تم نے مشتعل ہونے کی بجائے انتہائی حوصلے سے کام لیا ہے تو وہ زمینیں کی بجائے تمہاری طرف داری پر مجبور ہو جائیں گے۔ میں نے اپنا خاص ایلچی ان کی خدمت میں بھیج دیا ہے اور مجھے یہ توقع ہے کہ وہ کوئی تسلی بخش جواب لے کر آئے گا، لیکن آپ کو چند دنوں تک تحتسل سے کام لینا پڑے گا۔ آپ کو اطمینان دلانے کے لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سر دست اپنی بیوی اور بچوں کو آپ کی حفاظت میں چھوڑ دوں!"

مسلمانوں کو غرناطہ کے گورنر کی یہ آخری پیش کش ناقابل یقین محسوس ہوئی۔ وہ اسے بھی نصرائیوں کا ایک فریب سمجھتے تھے لیکن کچھ دیر بعد جب گورنر نے اپنی بیوی اور بچوں کو مسجد کے ساتھ ایک مکان میں منتقل کر دیا تو وہ جوشیلے نوجوان بھی کسی حد تک مطمئن ہو چکے تھے جو اب نصرائیوں کے کسی وعدے پر اعتبار کرنا گناہ سمجھتے تھے۔

ابسین کے قاضی نے وہ چار آدمی جنہوں نے سابقہ ہنگاموں میں بڑھ چڑھ

کر جھٹ لیا تھا، حکومت کو پیش کر دیے اور گورنر کے حکم سے انہیں ایک قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ جب گورنر واپس جانے لگا تو ایک اور عمر آدمی نے محلے کے سرکردہ لوگوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اس سے کہا "جناب! اگر آپ ہم پر اس قدر اعتماد کر سکتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو ہمارے پاس چھوڑ کر جا رہے ہیں تو ہمیں بھی آپ سے کوئی بے اطمینانی نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے میں اہل محکمہ کی طرف سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ انہیں واپس لے جائیں یہ گھر ان کی شان کے شایاں نہیں۔ کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم ان کے بدلے اپنے چار آدمیوں کو چھڑانا چاہتے ہیں؟"

مینڈورانے جواب دیا "نہیں! مجھے یقین ہے کہ میری بیوی بچوں کے لیے الحمر کے قلعے کی بجائے یہ مکان زیادہ محفوظ ہوگا۔ میں ان بہادر لوگوں کے کیے خائف ہو سکتا ہوں جن کے اسلاف نے صدیوں تک عیسائیوں کے جان و مال کی حفاظت کی ہے۔ میں تمہارے چار آدمیوں کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ قید پل کی کا سانہیں بلکہ مہمانوں کا س سلوک کیا جائے گا۔ اور جب شہر کے حالات تسلی بخش ہو جائیں گے تو انہیں، بلا تاخیر رہا کر دیا جائے گا۔"



ان ہنگاموں کے دوران زمینیں کو اپنے مکان کے اندر نظر بند ہو کر رہنا پڑا۔ پھر جب اسے ذرا چین نصیب ہوا تو اس نے اولین فرصت میں بادشاہ اور ملکہ کے نام ایک مفصل رپورٹ لکھ کر ایک قاصد کے سپرد کی، لیکن یہ قاصد کہیں راستے ہی میں تھا کہ سینڈوڈا کا ایلچی جو اس سے پہلے طلیطلہ کے دربار میں بازیابی حاصل کر چکا

تھا، زمینیں کے لیے بادشاہ اور ملکہ کی طرف سے تہدید آمیز خطوط لے کر واپس آگیا۔

زمینیں کو گزشتہ واقعات کے بعد فرڈی مینڈے سے تو کسی بہتر سلوک کی توقع نہ تھی لیکن ملکہ ازابیل سے اسے یہ امید نہ تھی کہ بادشاہ کی طرح وہ بھی اسے مورد الزام ٹھہرائے گی۔ چنانچہ اسے تصویر کا دوسرا رخ دکھانے کے لیے اُس نے بذات خود طیلطلہ پہنچنا ضروری سمجھا۔

راستے کی کٹھن منازل طے کرنے کے بعد یہ بوڑھا راجہ بڑیا ایک ہفتہ طیلطلہ میں مقیم رہا۔ ازابیل سے وہ قریباً ہر روز لمبی چوڑی ملاقاتیں کرتا رہا، لیکن فرڈی مینڈ دو دن اس سے اجتناب کرتا رہا۔ تیسرے دن ملکہ کی آنکھ کو شیشوں سے ان کی ملاقات ہوئی تو محتسب اعظم ڈائیکوویزا بھی دربار میں موجود تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ فرڈی مینڈ اپنے دل کی بھرپور کھانا کھا رہا، زمینیں سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر جب فرڈی مینڈ کا غصہ فدا ٹھنڈا ہوا تو اُس نے کہا :

”عالیجاہ! میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے اور آپ کو یہ غش خنہ سہی سنانے آیا ہوں کہ میں اپنا مقصد حاصل کر چکا ہوں۔ اب آپ مسلمانوں کے ساتھ ہر معاہدے کی پابندی سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اگر مجھے اس بات کا کوئی اندیشہ ہو تاکہ مسلمان جنگ کرنے کی سکت رکھتے ہیں تو میں ذرہ بھر خطرہ مول نہ لیتا....

غزناط کے گورنر نے آپ کو جس بغاوت کی اطلاع دی ہے وہ صرف ایک جنگی اشتعال تھا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ گورنر کی نرمی کے باعث مسلمان دیر ہو گئے ہیں۔ انھوں نے میری قیام گاہ پر حملہ کیا تھا — فادر ڈیزامیر سے اس موقع کی تائید کریں گے کہ اپنی باغیانہ سرگرمیوں کے باعث وہ ان تحفظات سے — ہو گئے ہیں جو معاہدے کی دوسری طرف سے انھیں حاصل تھے۔ اب اُن کے

یہ عیسائیت قبول کرنے یا انڈس چھوڑ دینے کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہیں رہا۔ میں اسے بھی دیکھ سیک کی ایک کرامت سمجھتا ہوں کہ آپ کو اتنی جلدی معاہدے سے چھٹکارا حاصل کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ دہن میں یہ سوچا کرتا تھا کہ اگر ہم اپنا فرض پورا کیے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو خدا کو کیا جواب دیں گے اور آئندہ نسلیں ہمارے متعلق کیا خیال کریں گی؟ کیا یہ وہی مسلمان نہیں جنہوں نے کئی صدیاں ہم پر حکومت کی ہے اور جنہوں نے غزناط کی حفاظت کے لیے مسلسل دس سال ہمارے ساتھ جنگ کی ہے؟“

فرڈی مینڈ نے تملاک کر کہا ”آپ کو یہ معلوم ہے کہ اگر ہم دس سال کی یہ مہم دس مہینوں میں سر کرنے کی کوشش کرتے تو ہمارا کیا حشر ہوتا؟ غزناط کو قلعہ جوتے سات برس ہو چکے ہیں اور اس عرصے میں کسی جگہ بد امنی نہیں ہوئی لیکن آپ نے چند مہینوں میں ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ شاید مہینہ جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنی پڑے۔ آپ نے صریحاً ہماری ہدایات کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ نے جبراً انھیں عیسائی بنانے کی کوشش کی ہے اور اب آپ یہ ٹھکانیت لے کر یہاں آئے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے۔“

آپ نے ان کی مقدس کتابیں جلائی ہیں اور اب آپ یہ گلہ کرتے ہیں کہ اُن کے سینے میں نفرت کی آگ سلگ رہی ہے۔ میں اس پٹی کو ایک ایسی عظیم سلطنت بنانا چاہتا ہوں جس پر کلیسا فخر کر سکے، لیکن آپ مجھے موقع نہیں دینا چاہتے۔ آپ نے پُر امن لوگوں کو بغاوت پر اکسایا ہے۔ یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ غزناط کے گورنر نے آپ کی حفاظت کے لیے فوج کے بہترین دستے بھیج دیے تھے اور اس نے جرأت اور ہمت سے کام لے کر یہ معاملہ رفع دفع کر دیا ہے اور نہ اب تک بغاوت کی آگ پورے ملک میں پھیل جاتی؟

عالیجاہ! اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ کسی دن مسلمان خلوص دل سے عیسائی ہو جائیں گے تو میں آپ کو پریشان نہ کرتا۔ لیکن صلح کا معاہدہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک ناقابل عبور دیوار کی طرح کھڑا ہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو تبدیلی مذہب پر آمادہ کرنے کی یہی ایک صورت تھی کہ اس دیوار کو گرا دیا جائے اور انھیں اس بات کا موقع نہ دیا جائے کہ وہ چند سال بعد ہمارے غلام اٹھ کھڑے ہوں۔ خدا نے آپ کو طاقت دی ہے اور آپ انھیں ہر وقت دبا سکتے ہیں۔ آپ کو اپنے حقے کا کام اپنی آئندہ نسلوں پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔

ملکہ نے زمینیس کی تائید کرتے ہوئے کہا: "میں غرناطہ کی صورت حال کے بارے میں کم پریشان نہ تھی، لیکن فادر زمینیس نے میرے خدشات دور کر دیے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جب آپ اطمینان سے ان واقعات کے متعلق غور کریں گے تو میری طرح آپ بھی یہی محسوس کریں گے کہ خدا کا ہاتھ ہمارے سر پر ہے اور ہمیں ان معاہدوں کی پابندی نہیں کرنی چاہیے جو ہمیں خدا کی خوشنودی حاصل کرنے سے روکتے ہوں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم جنگ کے وہ ان کلیسا سے جو وعدے کیا کرتے تھے، وہ پورے کیے جائیں۔ اگر مسلمان عیسائی ہو جائیں تو ایک بہت بڑی فتح ہوگی اور مستقبل کے مورخ ہمیں تشکر کا طعنہ دینے کی بجائے خراج تحسین پیش کریں گے کہ ہم نے ان کی آئندہ نسلوں کو گمراہی سے بچا لیا ہے۔ اگر وہ ملک سے ہجرت کر جائیں گے تو بھی ہمیں یہ اطمینان ہوگا کہ ہمارا ملک ان کے وجود سے پاک ہو گیا ہے۔۔۔۔۔"

"فادر ڈیزا! ملکہ نے محاسب اعظم سے مخاطب ہو کر کہا: "آپ کیوں خاموش ہیں؟"

"ملکہ عالیہ! ڈیزا نے جواب دیا: "اگر بادشاہ سلامت مجھے کچھ کہنے

کی اجازت دیں تو میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ظلیلہ اور ارغون کی تلواروں نے ہمارے لیے فتح کا جو راستہ کھولا تھا، اسے فادر زمینیس کی تدبیروں نے زیادہ کشادہ اور ہموار کر دیا ہے اور میں ان کی کارگزاری پر فخر کرتا ہوں کہ انھوں نے بادشاہ سلامت کو دشمن کا اصلی چہرہ دکھا کر اس معاہدے کی پابندی سے آزاد کر دیا ہے جس کے باعث سپین میں کلیسا کا بول بالا کرنے کے لیے ہمارے دیرینہ خواب پورے نہیں ہو سکتے۔۔۔۔۔

میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ فادر زمینیس کے ہر اقدام کو میری تائید و حمایت حاصل تھی، اور اگر یہ کوئی خرم ہے کہ میں نے بادشاہ سلامت سے پوچھے بغیر محکمہ احتساب کے بعض اختیارات فادر زمینیس کو منتقل کر دیے تھے تو میں اس کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔

فرڈی نینڈ نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا: "فادر ڈیزا! میں کلیسا کے معاملات میں دخل نہیں دیتا، لیکن اگر آپ کی کارگزاری سے سلطنت کو کوئی ضعف پہنچا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی۔"

عالیجاہ! اگر حکومت اور کلیسا کا تعاون برقرار رہا تو آپ کی سلطنت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ عیسائیت کی مکمل فتح کے لیے آپ کے ہر اقدام کو کلیسا کی حمایت حاصل ہوگی اور صرف سپین کا کلیسا ہی نہیں بلکہ یورپ کے ہر ملک میں کلیسا کے محافظ آپ کے ساتھ ہوں گے۔"

فرڈی نینڈ کچھ دیر ملک زمینیس اور ڈیزا کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ آج یہ بحث ملتوی کر دی جائے۔ مجھے ایک یاد دہانی سوچنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد میں کوئی فیصلہ دے سکوں گا اور مجھے امید ہے کہ میرا فیصلہ کلیسا کے مفاد کے خلاف نہیں ہوگا۔"